سرپرست
مولانا وحیدالدین خاں

خدا نے اپنی دنیا کا نظام انتہائی محکم بنیادوں پر بنایا ہے۔ کوئی درخت کبھی طلسماتی طور پر نہیں اگتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک آسمانی کرہ چھلانگ لگا کر اچانک اس سرے سے اس سرے پر پہنچ جائے۔

ایک ایسی دنیا میں ہم ایسے "بزرگ" کی پیدائش کا انتظار کر رہے ہیں جو کراماتی طور پر واقعات کو ظہور میں لائے۔ ہم ایسے "قائد" کی تلاش میں ہیں جو ایک بڑا سا مظاہرہ کر کے آناً فاناً قوم کے لئے نیا مستقبل پیدا کر دے۔

جو لوگ اس قسم کی امیدوں پر جی رہے ہیں انھیں جاننا چاہئے کہ خدا کی اس دنیا میں ایسے طلسماتی واقعات کا ظہور ممکن نہیں۔ اگر انھیں طلسمات ہی کے سہارے زندہ رہنا ہے تو ان کو اپنی پسند کے مطابق دوسری کائنات بنانی پڑے گی

جلد ۱ شمارہ ۳	زرِ تعاون سالانہ ۲۴ روپے۔ بیرون ہند سے ۲۰ ڈالر۔ فی پرچہ دو روپیہ	جنوری ۱۹۷۷

خصوصی تعاون سالانہ: کم سے کم ایک سو ایک روپیہ

فہرست

یہ اللہ کا فضل خاص ہے کہ الرسالہ نے انتہائی مختصر مدت میں حیرت انگیز طور پر غیر معمولی کامیابی حاصل کی ہے۔ نہ صرف ملک کے مختلف حلقوں میں بلکہ ملک کے باہر بھی اس کا استقبال اس طرح ہوا ہے گویا لوگ زبان حال سے کہہ رہے ہوں :

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد زپس پردۂ تقدیر پدید

اس سلسلہ میں ایک خوشی کی خبر الرسالہ کا عربی ایڈیشن ہے۔ پچھلے شمارہ میں ہم نے کہا تھا کہ الرسالہ کے کام کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ یہ پرچہ کم از کم پانچ زبانوں میں جاری ہو: اردو، ہندی، عربی، فارسی اور انگریزی۔

اللہ کا شکر ہے کہ اردو کے بعد عربی میں الرسالہ کے شائع ہونے کا نہایت معقول انتظام ہو گیا ہے۔ اور یہ انتظام بھی اس مقام پر ہوا ہے جو عالم عرب کا علمی ذہنی مرکز ہے یعنی قاہرہ میں۔ پچھلے اکتوبر۔ نومبر کے دوران راقم الحروف کو دوبار قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ مصر کے معروف ناشر المختار الاسلامی کی پیش کش پر ان سے باقاعدہ طور پر یہ معاہدہ ہو گیا ہے کہ الرسالہ کے تمام اہم مضامین کا عربی ترجمہ سہ ماہی مجلہ کی شکل میں مستقل طور پر شائع کیا جائے۔ یہ گویا ایک قسم کا کتابی سلسلہ ہوگا جو سال میں چار شماروں کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ انشاء اللہ دو تین ماہ کے اندر اس کتابی سلسلہ کا پہلا شمارہ شائع ہو جائے گا۔ الرسالہ کے اردو مضامین کو عربی میں منتقل کرنے کا کام ایک مصری استاذ انجام دیں گے جو عربی ادیب ہونے کے ساتھ اردو بھی اچھی جانتے ہیں۔

المختار الاسلامی (قاہرہ) سے یہ معاہدہ بھی طے پایا ہے کہ وہ محترم مولانا وحید الدین خاں صاحب کی مؤلفات کے انگریزی ترجمے شائع کریں۔ یہ کام اگلے پانچ چھ ماہ میں انشاء اللہ شروع ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ المختار الاسلامی مولانا محترم کی تمام کتابوں کا عربی ترجمہ شائع کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں الاسلام یتحدی، الدین فی مواجهة العلم، حکمۃ الدین اور الاسلام فی العصر الحدیث شائع ہو کر عالم عرب میں انتہائی مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ اول الذکر کتاب کے عربی میں غیر قانونی ایڈیشنوں کے علاوہ اب تک آٹھ ایڈیشن قاہرہ، بیروت اور کویت میں شائع ہو چکے ہیں اور اس کا ترجمہ ترکی زبان میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ راقم الحروف نے الریاض (سعودی عرب) میں اسلامی فقہ کانفرنس میں شرکت کے دوران ایک ترکی ذمہ دار سے یہ معاہدہ کیا ہے کہ مولانا موصوف کی تمام کتابیں ترکی میں ترجمہ ہوں۔ الاسلام یتحدی کے علاوہ الدین فی مواجهة العلم کا ترکی ترجمہ پہلے ہی شروع ہو چکا ہے۔

"الرسالہ میں سیاسی چاشنی نہیں ہوتی"۔ اس شکایت کے بارے میں ہم کہیں گے کہ الرسالہ کا مقصد تو سیاسی ذوق کو ختم کرنا ہے۔ پھر وہ خود کس طرح سیاسی غذا کا دسترخوان بن سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں ہماری ملی صحافت نتیجہ خیز نہ ہونے کی واحد سب سے بڑی وجہ اس کا سیاسی ذوق ہی تھا۔ دینی اور تعمیری کام کے لئے سیاست سے زیادہ قاتل اور کوئی چیز نہیں ہے اور ہم اس سے مکمل طور پر دور رہنا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی وقتی حکمت عملی نہیں ہے بلکہ ایک سوچی سمجھی راہ ہے جس پر ہم برسہا برس سے عامل ہیں۔ (ظفر الاسلام خاں)

اتحاد کی برکتیں

ایک حدیث ہے:

قال صلی اللہ علیہ وسلم، قال اللہ عز وجل:

انا ثالث الشریکین مالم یخن احدھما صاحبہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں دو شریکوں کے ساتھ تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان کا ایک ساتھی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے۔

مطلب یہ ہے کہ کوئی گروہ اسی وقت تک خدا کی مدد کا مستحق رہتا ہے جب تک اس کے افراد باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ اس کے برعکس جب وہ ایک دوسرے کے بدخواہ بن جائیں، جب ان کے درمیان خیانت کی فضا پیدا ہو جائے تو خدا کی مدد ان سے اٹھ جاتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا سے تعلق کا معیار بندوں سے تعلق ہے۔ اگر خدا کے ساتھ کسی کا تعلق درست ہے تو لازماً بندوں کے ساتھ بھی اس کا تعلق درست ہوگا جس کا تعلق بندوں کے ساتھ درست نہ ہو، سمجھنا چاہئے کہ خدا کے ساتھ بھی اس کا تعلق درست نہیں، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی زیادہ خدا کی باتیں کرتا ہو

خدا کا کلمہ ان کے حق میں پورا ہو کر رہا

حضرت موسیٰ علیہ السلام (۱۴۰۰-۱۵۲۰ ق م) کی آمد سے ساڑھے تین ہزار برس پہلے یہ واقعہ ہوا کہ فلسطین اور شام کے علاقے کے کچھ عرب، جن کو "عمالیق"، کہا جاتا تھا، مصر میں داخل ہوئے اور وہاں کے مقامی حکمرانوں کے آپس کے اختلاف سے فائدہ اٹھاکر مصر کی سلطنت پر قابض ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام (۱۷۹۶-۱۹۰۶ ق م) جب نوجوانی کی عمر میں فلسطین سے مصر پہنچے تو اس وقت مصر پر اُن کے انھیں ہم قوموں کی حکومت تھی۔ ایک عورت کی پیدا کردہ بعض ابتدائی مشکلات کے بعد آپ کو مصر میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ ایک شان دار شخصیت کے مالک تھے اور آپ کے اندر غیر معمولی انتظامی صلاحیت تھی۔ مصری حکمرانوں کو نسلی قربت کی وجہ سے آپ کی صلاحیتوں کے اعتراف میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ آپ کے زمانہ کے عرب بادشاہ اپوفیس نے آپ کے دین کو قبول نہ کرتے ہوئے بھی حکومت کا تمام کاروبار آپ کے سپرد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت یوسف نے اپنے والد حضرت یعقوب (اسرائیل) اور دیگر اہل خاندان کو مصر بلالیا۔ یہ لوگ تقریباً چار سو سال تک مصر کی حکومت پر چھائے رہے۔ مصر کے آئینی حکمراں اگرچہ اب بھی مشرک عمالیق تھے مگر حکومت پر عملاً بنی اسرائیل ہی کا قبضہ تھا۔

بنی اسرائیل ابتداءً جب مصر آئے تو ان کو یہاں کی انتہائی زرخیز زمینوں میں بسایا گیا اور حکومت کے اعلیٰ ترین مناصب ان کے لئے مخصوص رہے۔ مگر یہ اکثریت کے اوپر اقلیت کی حکومت تھی۔ بائبل کے بیان کے مطابق یعقوب (اسرائیل) کا گھرانا جو ملک مصر منتقل ہوا، ان کی تعداد حضرت یوسف کو ملاکر ۶۸ تھی۔ توالد و تناسل نیز تبلیغ کے ذریعے دور قدیم کے ان "مسلمانوں"، کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ پانچ سو برس بعد جب حضرت موسیٰ نے مردم شماری کرائی تو صرف ان کے مردوں کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اگرچہ اس زمانے کی مصری آبادی کے قطعی اعداد و شمار معلوم نہیں ہیں، تاہم تخمینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ مصر کی اس زمانے کی آبادی میں بنی اسرائیل کی تعداد تقریباً اسی فی صد ہوگی۔

حضرت یوسف نے ۱۱۰ سال کی عمر پائی۔ آپ کے تین چار سو سال بعد مصر میں عرب حکمرانوں کے خلاف ردعمل ہوا لمبے خون خرابے کے بعد بالآخر قبطی غالب آئے۔ "بیرونی حکمرانوں کو تخت سے بے دخل کر دیا گیا اور مصر پر ایک قبطی خاندان کی حکومت قائم ہو گئی جس کے حکمرانوں نے "فرعون"، کا لقب اختیار کیا۔

قبطی حکومت کے قیام کے بعد اگرچہ ڈھائی لاکھ عربوں کو مصر سے نکال دیا گیا تھا۔ تاہم بنی اسرائیل اب بھی وہاں رکھے گئے تاکہ نئے حکمرانوں کے لئے بیگار کا کام دے سکیں۔ بائبل کے الفاظ میں: "مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی اور انھوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب خدمت کھیت کی کرواکے ان کی زندگی تلخ کی۔ اور ان کی ساری خدمت جو وہ ان سے کراتے تھے مشقت کی تھیں" خروج ۱: ۱۳-۱۴

حضرت موسیٰؑ تشریف لائے تو بنی اسرائیل اسی دورِ مشقت سے گزر رہے تھے۔ آپ نے قبطی فرعونی تہذیب کے مقابلہ میں مغلوب حیثیت اختیار کرنے کے بجائے خود ان کے اوپر اقدام کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ نے دعوت دینی شروع کی کہ دینِ خداوندی کو اختیار کرو، ورنہ تم سب کے سب تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ یہ چیز فرعون کے غصہ میں صرف اضافہ کر سکتی تھی۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے لئے مصر کی زندگی آپ کے آنے کے بعد تلخ تر ہو گئی۔ حتیٰ کہ اس میں مزید یہ اضافہ ہوا کہ شاہی حکم کے تحت بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے بیٹوں کو قتل کیا جانے لگا تاکہ ان کی نسل دھیرے دھیرے مصر سے ختم ہو جائے۔ قدیم مصری آثار کی کھدائی کے دوران ۱۸۹۶ میں ایک کتبہ ملا ہے جس میں حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا فرعون منفتاح فخر کے ساتھ کہتا ہے "اور اسرائیل کو مٹا دیا گیا، اس کا بیج تک باقی نہیں"

اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ سے شکایت کی: "آپ کے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے جا رہے تھے اور اب آپ کے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں" (اعراف - ۱۲۹)

اس انتہائی نازک مرحلہ میں بنی اسرائیل کو جو جواب دیا گیا، وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے:

وَاَوْحَيْنَا اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یونس — ۸۷

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں ٹھہراؤ اور اپنے گھروں کو مرکزِ عمل بناؤ[۱] اور نماز قائم کرو اور مومنین کو بشارت دے دو

اس آیت میں جو پروگرام دیا گیا ہے، اس کو حسب ذیل طریقے پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جہاں ہو، وہاں جمے رہو۔ اپنے اندر خوف و انتشار کو جگہ مت دو۔ یہ وہی چیز ہے جس کو حضرت مسیحؑ نے ان لفظوں میں کہا تھا: جب تک عالم بالا سے تم کو قوت کا لباس نہ ملے اس شہر میں ٹھہرے رہو (لوقا ۲۴ : ۴۹)

۲۔ اپنے گھر کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لو، یعنی باہمی اتحاد، اندرونی استحکام، آپس کے صبر و نصیحت اور ذاتی ذرائع پر انحصار، یہ وہ چیزیں ہیں جن پر تمھیں موجودہ حالت میں اپنی توجہات کو مرتکز رکھنا چاہئے۔

۳۔ نماز قائم کرو۔ یعنی اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کرو، اس کی یاد، اس سے مانگنا، اس کے آگے اپنے آپ کو بالکل جھکا دینا، ان صفات کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر پیدا کرو۔

۴۔ یہی وہ طریقِ عمل ہے جس میں تمھارے لئے دنیا و آخرت کی تمام خوش خبریاں چھپی ہوئی ہیں۔ پوری یکسوئی کے ساتھ ان کی تکمیل میں لگ جاؤ۔ اس سہ نکاتی پروگرام کو مختصر طور پر اس طرح کہہ سکتے ہیں ——— استقامت، داخلی تعمیر، تعلق باللہ۔ اس پروگرام پر عمل کرنے کا بالآخر جو نتیجہ نکلا، وہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہے:

اور جو لوگ کمزور کر دیئے گئے تھے، ہم نے ان کو زمین کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے برکت دی ہے۔ اور تمھارے رب کا بہترین کلمہ بنی اسرائیل کے لئے پورا ہو کر رہا۔ اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کو اس کی صنعتوں اور اس کے فارموں کے ساتھ مٹا کر رکھ دیا۔ اعراف — ۱۳۷ □

---

[۱] تبوآ لقومكما بمصر بيوتا کا ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان الفاظ میں کیا ہے: ساکن کنید قوم خود را بہ شہر مصر در خانہا
قبلہ کا لفظ قَبِلَ کا اسم نوع ہے۔ اس کا اصل مفہوم ہے "مرکزِ توجہ"۔ کہتے ہیں قبلتِ الماشيةُ الوادی: جانور وادی کی طرف متوجہ ہوئے

ظاہری حالات خواہ کتنے ہی سخت ہو جائیں ایک نئی زندگی کا امکان ہمیشہ موجود رہتا ہے

وھو الذی مرج البحرین ھذا عذب فرات وھذا ملح اجاج وجعل بینھما برزخا وحجرا محجورا   فرقان — ۵۳

اور وہی ہے جس نے دو سمندروں کو ملا رکھا ہے۔ ایک لذیذ و شیریں، دوسرا تلخ و شور، اور دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایک رکاوٹ ہے جو انھیں گڈمڈ ہونے سے روکے ہوئے ہے۔

یہ کیفیت ہر اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں کوئی بڑا دریا سمندر میں آکر گرتا ہے۔ اس کے علاوہ خود سمندر میں بھی مختلف مقامات پر میٹھے پانی کے چشمے پائے جاتے ہیں جن کا پانی، سمندر کے نہایت تلخ پانی کے درمیان بھی اپنی مٹھاس پر قائم رہتا ہے۔ ترکی امیر البحر سیدی علی رئیس (کاتب رومی) اپنی کتاب مرآۃ الممالک میں، جو سولھویں صدی عیسوی کی تصنیف ہے، خلیج فارس کے اندر ایسے ہی ایک مقام کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہاں آب شور کے نیچے آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے میں خود اپنے بیڑے کے لئے پینے کا پانی حاصل کرتا رہا ہوں۔ موجودہ زمانہ میں جب امریکن کمپنی نے سعودی عرب میں تیل نکالنے کا کام شروع کیا تو ابتداءً وہ بھی خلیج فارس کے انھیں چشموں سے پانی حاصل کرتی تھی۔ بعد میں ظہران کے پاس کنویں کھود لئے گئے اور ان سے پانی لیا جانے لگا۔ بحرین کے قریب بھی سمندر کی تہ میں آب شیریں کے چشمے ہیں جن سے لوگ کچھ مدت پہلے تک پینے کا پانی حاصل کرتے رہے ہیں۔

یہ تو ہے آیت کا ظاہری مضمون، جو اللہ کی قدرت کے ایک کرشمے سے اس کے الٰہ واحد اور رب واحد ہونے پر استدلال کر رہا ہے۔ مگر اس کے بین السطور سے بھی ایک لطیف اشارہ ایک دوسرے مضمون کی طرف نکلتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسانی معاشرے کا سمندر خواہ کتنا ہی تلخ و شور ہو جائے، اللہ جب چاہے اس کی تہ سے ایک جماعت صالحہ کا چشمۂ شیریں نکال سکتا ہے اور سمندر کے آب تلخ کی موجیں خواہ کتنا ہی زور مار لیں، وہ اس چشمہ کو ہڑپ کر جانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔

تفہیم القرآن جلد ۳، صفحہ ۴۵۸ □

کائنات خدا کا کارخانہ ہے۔ اس میں ہر طرف خدا کا پیغام نشر ہو رہا ہے۔ مگر اس کو وہی لوگ سنتے ہیں جنھوں نے اپنے کانوں کو غیر اللہ کی گونج سے محفوظ رکھا ہو۔

صحافت: ایک امکان جس سے ابھی تک ہم نے فائدہ نہیں اٹھایا

غزوۂ خندق (۶۲۷ء) کے موقع پر جب ابوسفیان کی سرداری میں مشرکین کی ۱۰ ہزار فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور وہاں دیکھا کہ شہر کے گرد تقریباً چھ کیلو میٹر لمبی خندق کھدی ہوئی ہے جس کی گہرائی تقریباً ڈھائی میٹر اور چوڑائی تقریباً تین میٹر ہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان کی زبان سے نکلا:

واللہ ان ہذہ المکیدۃ ما کانت العرب تکیدھا

خدا کی قسم یہ ایک ایسی تدبیر ہے جس کو عربوں نے اب تک نہیں کیا تھا۔

اسلام کی ابتدائی ہزار سالہ تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ مسلمان جب زندہ تھے تو وہ نئی نئی تدابیر اختیار کرنے میں ساری دنیا سے آگے تھے۔ اور جب ان کو زوال ہوا تو یہ حال ہو رہا ہے کہ وہ طریقے جو سو برس پہلے دریافت ہو کر دنیا میں رائج ہو چکے، مسلمان آج بھی ان کو استعمال کرنے سے محروم ہیں۔

محرومیوں کی اسی فہرست میں ایک چیز وہ ہے جس کو صحافت کہتے ہیں۔ بظاہر ہمارے یہاں ہزاروں کی تعداد میں اخبار نکلتے ہیں مگر یہ سب شخصیتوں یا اداروں کے "بلیٹن" ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی حقیقی معنوں میں اخبار نہیں کہا جا سکتا۔ جدید صحافت اللہ کی ایک عجیب نعمت ہے۔ ماضی میں اس کی ایک ہلکی سی مثال شاعرانہ قصائد میں پائی جاتی ہے۔ ایک معیاری قصیدہ میں مناظر فطرت، رومان، ادب، رجز، سماجی اور نفسیاتی اشارے غرض ہر چیز ہوتی ہے۔ ہر ذوق کا آدمی اس میں اپنی دلچسپی کا سامان پا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانے میں قصائد سب سے زیادہ لوگوں میں پھیلتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں صحافت اس کی زیادہ ترقی یافتہ علمی شکل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا صحیفہ وجود میں لایا جائے جو اپنے متنوع مضامین اور اپنے غیر جانب دارانہ انداز کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ لوگوں میں پڑھا جائے۔ اس طرح ایک کثیر المطالعہ صحیفہ وجود میں لانے کے بعد اپنی بات کو اس کے بین السطور میں شامل کر دیا جائے۔ جدید صحافت مکمل طور پر ایک تبلیغ ہے مگر وہ مکمل طور

◀◀◀

عرب جاہلیت میں شعر کی حیثیت تقریباً وہی تھی جو موجودہ زمانے میں اخبار کی ہے۔ موزوں نغمے اس زمانے میں عام طور پر پسند کئے جاتے تھے۔ ایک شخص اگر دلچسپ واقعات اور پرجوش مضامین کو عمدہ عربی زبان میں نظم کر دیتا تو وہ فوراً لوگوں کی زبان پر رواں ہو جاتے اور عمومی مجالس میں پڑھے جانے لگتے۔ گویا شعر اس زمانہ میں، کسی خیال کی اشاعت کا ایک ذریعہ تھا جس طرح موجودہ زمانہ میں اخبار ہے۔

کعب بن اشرف ایک شاعر تھا۔ بدر میں قریش کی شکست کے بعد اس نے پرجوش اشعار کہے جو قریش اور دوسرے لوگوں میں فوراً پھیل گئے۔ اسی طرح عبداللہ بن ابی وغیرہ اسلام کے خلاف اشعار لکھ کر عوام میں شائع کیا کرتے تھے۔ ان کے رد میں حسان بن ثابت نے نظمیں لکھیں جنھوں نے اس زمانہ میں گویا جوابی اخبار کا کام کیا اور مسلمانوں کے موقف کو عمومی مجالس تک پہنچانے کا ذریعہ بنے۔ سیرۃ ابن ہشام اس قسم کے اشعار سے بھری ہوئی ہے۔

پر اس تبلیغ سے مختلف ہے جو مناظر اور واعظین عموماً اختیار کرتے ہیں اور ہمارے اخبار جس کی ایک صحافتی نقل ہیں۔

ضرورت ہے کہ اعلیٰ معیار کا ایک ہفت روزہ اخبار اردو، ہندی، انگریزی اور دوسری زبانوں میں نکالا جائے۔ اخبار میں جائز حدود کے اندر وہ سب کچھ ہو جو ایک عام ہندوستانی جاننا چاہتا ہے ـــــ اس میں ہفتہ بھر کی عالمی خبروں کا خلاصہ ہو۔ ملک کی تعمیری سرگرمیوں کا مختصر تعارف ہو۔ جدید دنیا کے سبق آموز واقعات ہوں۔ ہندو، عیسائی اور دوسرے فرقوں کی مذہبی سرگرمیوں کا تذکرہ ہو۔ اخلاقی اور سماجی اصلاح پر مختلف لوگوں کے خیالات ہوں۔ سائنس اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں انسانی ترقیات کا جائزہ ہو اور پھر اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں وہ باتیں ہوں جو ہم مسلمانوں کی اصلاح اور دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے اخبار میں لانا چاہتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ بے لاگ انداز اور علمی اسلوب میں ہو، نہ کہ مناظرہ بازی اور قصیدہ نگاری کے انداز میں۔ اخبار کا انداز وہ ہو جو عمومی حلقۂ مطالعہ حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے اور مقصد وہ ہو جس کو دعوت دین اور احیائے ملت کے الفاظ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

یہ کام اگر سو برس پہلے شروع ہو گیا ہوتا تو وہ چیز جس کو آج ہم "خبرنامہ" کے طور پر سوچ رہے ہیں، وہ شاید اب "انقلاب نامہ" بن چکا ہوتا۔ ضرورت ہے کہ اس مقصد کے لئے مشترک سرمایہ سے ایک ادارہ قائم کیا جائے اور اس کو تجارتی سطح پر چلایا جائے۔ اس قسم کا ایک اخبار تجارتی اور اصلاحی دونوں اعتبار سے صد فی صد کامیاب ہو سکتا ہے بشرطیکہ اس کو ضروری سرمایہ اور باصلاحیت افراد حاصل ہو جائیں۔

الرسالہ جنوری ۱۹۷۷

مریخ پر زندگی کی تلاش کی خبروں نے اتنی زیادہ شہرت پائی کہ دنیا بھر میں کوئی شخص بھی اس سے بے خبر نہ رہا۔ مگر ٹھیک انھیں دنوں (جولائی ـ اکتوبر ۱۹۷۶) اسی قسم کی ایک اور گم نام کوشش میں سائنس داں مصروف تھے۔ یہ اسکاٹ لینڈ کی لاش نیس (Loch Ness) نامی جھیل میں قدیم زمانہ کے ڈینوسار کی تلاش تھی۔ دونوں مہموں کا مقصد ایک تھا۔ زندگی کی پیدائش کے بارے میں علمائے حیاتیات کے نظریہ کی تصدیق۔ جدید علماء کا کہنا ہے کہ طبیعی حالات کا ارتقاء خود اپنے اندرونی حالات کے تحت زندگی کو وجود دیتا ہے۔ اس مفروضہ کا تقاضا ہے کہ زمین کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی زندگی کی قسمیں موجود ہوں۔ اس سلسلے میں مریخ سائنس دانوں کی سب سے بڑی امیدگاہ تھا۔ مگر وائکنگ اول اور دوم نے بالآخر جو چیز ثابت کی ہے وہ یہ کہ معلوم کائنات میں کوئی دوسرا مقام نہیں

اسکاٹ لینڈ کی جھیل میں نظریہ ارتقاء کے حیاتیاتی آثار کی تلاش
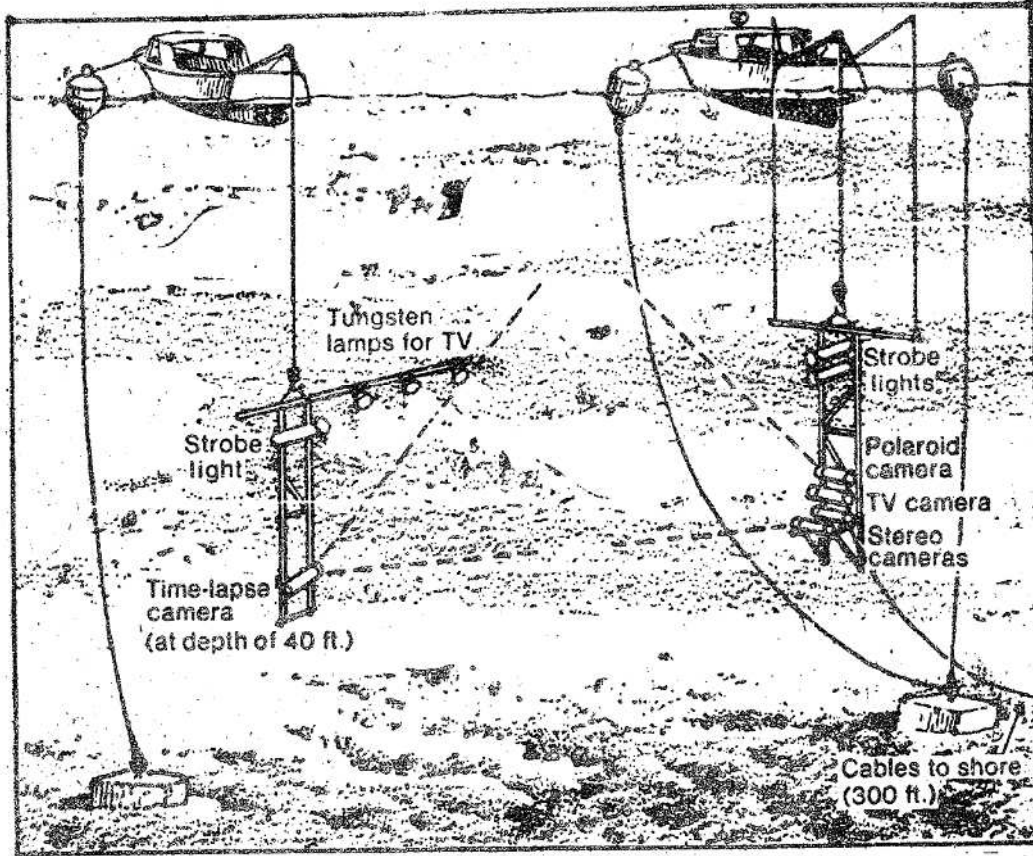
کائنات "ارتقائی" تشریح کو قبول نہیں کرتی۔ اگرچہ سمندر کی تہوں سے لے کر خلائی کروں تک اس کے لئے بے شمار تحقیقات جاری ہیں۔

جہاں ہماری جیسی زندگی پائی جاتی ہو۔

اس نظریہ کے مفروضات میں سے ایک مفروضہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں بہت بڑے بڑے بے ہنگم جانور زمین پر پائے جاتے تھے جو بعد کو ختم ہو گئے، مگر ابھی تک اس مفروضہ کے ثبوت میں صرف متحجر ہڈیوں کے ٹکڑے ہی سائنسدانوں کو دستیاب ہو سکے ہیں۔ تاہم قیاس کیا جاتا ہے کہ اس قدیم نسل کا کم از کم ایک فرد لاش نیس نامی جھیل میں موجود ہے۔ اس سلسلے میں ۱۹۷۲ اور ۱۹۷۵ میں تحقیقاتی مہمیں جاتی رہی ہیں۔ ۱۹۷۶ میں امریکی انجینیروں اور سائنس دانوں کی ایک ٹیم زیادہ بڑے پیمانہ پر ساز و سامان سے لیس ہو کر اس جھیل پر پہنچی۔ اس ٹیم کو نیویارک ٹائمز اور اکیڈمی آف اپلائیڈ سائنس (بوسٹن) سے مالیاتی تعاون ملا تھا۔ اس پر تقریباً ۷۵ ہزار ڈالر خرچ ہوئے۔ مگر صرف اس رقم سے اس کے تمام اخراجات کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس ٹیم میں حصہ لینے کے لئے ماہرین نے رضاکارانہ طور پر اپنے اوقات دیئے تھے۔ اس کے علاوہ مہم کا اکثر ساز و سامان عطیہ کے طور پر ملا تھا۔

۸ نومبر ۱۹۷۶ کو بوسٹن سے جو آخری رپورٹ دی گئی ہے، اس کے مطابق یہ ٹیم مفروضہ حیوان یا اس کے آثار دریافت کرنے میں ناکام رہی۔

اس مہم پر جو مشینی کشتیاں استعمال کی گئیں وہ جدید ترین سامانوں سے لیس تھیں۔ زیر آب کیمرا، پانی میں کام کرنے والا ٹیلی وژن، ٹیپ ریکارڈر، پانی کی تہوں میں دیکھنے والی دوربین وغیرہ۔ نیز ان کشتیوں کی مدد کے لئے فضا میں ہیلی کاپٹر بھی مسلسل موجود رہتے تھے □

دنیا کو کسی بتانے والے کا انتظار ہے

جولائی ۱۹۷۶ کی چھ تاریخ تھی اور شام ۶ بجے کا وقت۔ میں شہر کی ایک سڑک سے گزر رہا تھا۔ اتنے میں ایک اجنبی دکان دار نے آواز دے کر مجھے روکا۔

"مرنے کے بعد کیا آدمی پھر اسی جیون میں واپس آتا ہے" اس نے پنجابی زبان میں سوال کیا۔

"نہیں"

"پھر کہاں جاتا ہے"

"اپنے مالک کے پاس چلا جاتا ہے حساب دینے کے لئے"

"اور اس کے بعد"

"اس کے بعد نرک میں جاتا ہے یا سورگ میں"

یہ جواب سن کر بوڑھے دکان دار نے اپنی سیٹ پر پہلو بدلا اور خاموش ہو گیا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی گہری سوچ میں پڑ گیا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اب کچھ اور بولنا اس کی سوچ میں خلل ڈالنا ہوگا۔ میں چند منٹ تک اس کے اگلے سوال کا منتظر رہا اور اس کے بعد آگے بڑھ گیا۔

اسی قسم کا ایک واقعہ مشہور امریکی مشنری بلی گراہم نے لکھا ہے۔ وہ اپنی کتاب "دی سیکرٹ آف ہیپی نس" میں لکھتا ہے کہ دنیا کے ایک عظیم سیاست داں نے ایک بار اس سے کہا:

I am an old man. Life has lost all meaning. I am ready to take a fateful leap into the unknown. Young man, can you give me a ray of hope.

"میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ زندگی نے اپنی تمام معنویت کھو دی ہے۔ عنقریب میں نامعلوم دنیا کی طرف ایک فیصلہ کن چھلانگ لگانے والا ہوں۔ اے نوجوان شخص! کیا تم مجھے امید کی کوئی کرن دے سکتے ہو"

یہ موت ہر آدمی کا پیچھا کر رہی ہے۔ بچپن اور جوانی کی عمر میں آدمی اسے بھولا رہتا ہے۔ مگر بالآخر تقدیری فیصلہ غالب آتا ہے۔ بڑھاپے میں جب اس کی طاقتیں گھٹ جاتی ہیں تب اسے محسوس ہوتا ہے کہ اب بہرحال کچھ دنوں کے بعد وہ مر جائے گا۔ اس وقت وہ مجبور ہوتا ہے کہ سوچے کہ "مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے"۔ اسے تلاش ہوتی ہے کہ وہ کوئی امید کی کرن پالے جو موت کے بعد آنے والے حالات میں اس کو روشنی دے سکے۔

یہ زندگی کا اہم ترین سوال ہے، اس سے باخبر کرنے کے لئے اللہ نے اپنے تمام پیغمبر بھیجے۔ مگر آج جو لوگ پیغمبر کے وارث ہیں، وہ خود بھی شاید اس حقیقت کو بھول چکے ہیں۔ پھر ان سے کیا امید کی جائے کہ وہ دوسروں کو اس حقیقت سے باخبر کر سکیں گے۔

موت کے بعد انسان کے ساتھ کیا پیش آتا ہے اسی کو بتانے کے لئے قرآن بھیجا گیا ہے۔ حاملین قرآن کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ دنیا کو اس حقیقت سے باخبر کریں۔ اگر وہ اس کام کو نہ کریں تو قیامت کے دن جب قوموں کا حساب ہوگا وہ اس بات کے مجرم قرار پائیں گے کہ ان کے پاس انسانیت کے لئے اہم ترین خبر تھی مگر انھوں نے لوگوں کو اس سے آگاہ نہ کیا □

...اكبر والعزة للاسلام تجلجل في مساجد افريقيا الوسطى بينما الاخ...

...يد يستمع الى رئيسها وهو ينطق بشهادة لا اله الا الله محمد رسول الله

وسطی افریقہ کے صدر مملکت نے اسلام قبول کرلیا

اگرچہ مسلمان اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے مجرمانہ حد تک غافل ہیں، پھر بھی دین حق اپنے زور پر لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں تازہ ترین اہم خبر پچھلے دنوں افریقہ سے آئی، جہاں جمہوریۂ وسطی افریقہ کے صدر جنرل بوکاسا نے اپنے وزیر اعظم، نائب صدر، خاندان اور کئی وزرا سمیت اسلام قبول کرلیا۔

۲۵ شوال ۱۳۹۶ھ (۱۸ اکتوبر ۱۹۷۶) بروز دوشنبہ صدر بوکاسا نے اپنے ملک کے دارالسلطنت بانگی کی مسجد میں لیبیا کے صدر معمر القذافی کی موجودگی میں بوقت ظہر "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے انقلاب انگیز کلمات پڑھ کر خاتم النبین کے دین کو قبول کرلیا۔ انھوں نے اپنا نام صلاح الدین احمد بوکاسا رکھا ہے۔ ان کا قدیم نام جان بیڈل بوکاسا تھا۔ لیبیا کے ممتاز عالم اور جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ کے سکریٹری جنرل شیخ محمود صبحی نے صدر بوکاسا کو کلمۂ شہادۃ پڑھایا اور وضو کا طریقہ بتایا۔ اس کے بعد صدر قذافی نے صدر بوکاسا کو قرآن پاک کا ایک نسخہ پیش کیا اور انھیں نصیحت کی کہ وہ اس کو صبح و شام پڑھا کریں۔ دونوں سربراہوں نے ساتھ ہی نماز ظہر ادا کی اور "اللہ اکبر، اللہ اکبر" کے نعروں کے درمیان بانگی کی سڑکوں سے گزرے۔ اس تاریخی واقعہ کے بعد جمہوریۂ وسطی افریقہ کے ہزاروں باشندوں نے اسلام قبول کرلیا۔

صدر بوکاسا ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ریاست بوبانگی کے گورنر تھے۔ ان کی وفات بوکاسا کی ولادت کے چھ سال بعد ہی ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی والدہ بھی چل بسیں۔ بوکاسا کی پرورش ان کے دادا اور چچا نے کی۔ انھوں نے اپنی ابتدائی تعلیم کیتھولک اسکولوں میں حاصل کی۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۹ء میں فرانسیسی فوج میں بھرتی ہوگئے اور دوسری عالم گیر جنگ میں صدر ڈیگول کے تحت نازیوں کا مقابلہ کیا۔ فرانس میں بوکاسا نے وائرلیس (لاسلکی) کے خبیر (اکسپرٹ) اور استاد کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۵۹ میں وسطی افریقہ واپس آئے۔ ان کے چچا وسطی افریقہ کے آزاد ہونے کے بعد ملک کے پہلے صدر تھے، انھوں نے ۱۹۶۱ء میں بوکاسا، کو مسلح افواج کو وجود میں لانے کی ذمہ داری پر مامور کیا۔ ۱۹۶۴ء میں بوکاسا فوج کے رئیس الارکان (چیف آف سٹاف) بن گئے۔ ۱۹۶۶ میں فوجی انقلاب لاکر بوکاسا نے صدارت سنبھال لی۔ وہ مغربی نفوذ کے سخت مخالف ہیں۔ اد

ان کی تعلیم عیسائی اسکولوں میں ہوئی، وہ فرانس کی فوج میں شامل ہوئے انھوں نے غیر اسلامی نظام کے تحت اقتدار کی کرسی کو قبول کیا مگر کوئی چیز بھی ان کے لئے حق کی قبولیت میں مانع نہ بن سکی۔

المشير صلاح الدين احمد بوكاسا

اسی لئے اگست ۱۹۷۲ء میں انھوں نے اپنے ملک میں تمام سینما گھر بند کر دیئے۔ کیونکہ مغربی فلمیں عوام کے اخلاق کو برباد کر رہی تھیں۔ انھیں دنوں انھوں نے چوروں کی سزا ہاتھ کاٹنا مقرر کیا۔ اسرائیل کے سلسلہ میں ان کا موقف بہت سخت ہے۔ اکتوبر ۱۹۷۳ء میں انھوں نے اپنے ملک کے تعلقات اسرائیل سے ختم کر دیئے تھے۔

صدر بوکاسا کا ملک جمہوریہ وسطی افریقہ اپنے نام کے مطابق بالکل افریقہ کے وسط میں واقع ہے۔ نقشہ میں اس کو چاڈ، کانگو، سوڈان اور کامیرون کے درمیان دیکھا جا سکتا ہے

الخبر الذی أھملناہ !

صدر بوکاسا اگرچہ اب مشرف باسلام ہوئے ہیں، لیکن برسوں سے خود اپنی فطرت کے تحت وہ بعض اسلامی احکام تک پہنچ گئے تھے۔ ۱۹۷۱ میں صدر موصوف نے اپنے ملک میں کئی ایسی سزائیں رائج کیں جو کہ اسلامی "حدود" سے بڑی حد تک مشابہ تھیں۔ اس خبر کو عالمی صحافت نے "قدیم دور وحشت کی طرف واپسی" کا نام دیا تھا، اور مسلم ملکوں کی صحافت نے اسے اہمیت کے قابل ہی نہیں سمجھا۔ اس سے متاثر ہو کر راقم الحروف نے مصر کے روزنامہ "الاخبار" میں "الخبر الذی أھملناہ" (جس خبر سے ہم نے اعراض برتا) کے عنوان سے مضمون شائع کیا تھا۔ مضمون میں صدر بوکاسا کی رائج کردہ سزاؤں کی تفصیلات دیتے ہوئے میں نے لکھا تھا: عجب کہ اہل اسلام خود اسلامی حدود جاری کرتے ہوئے شرماتے ہیں، دوسرے لوگ اپنی عقل سلیم سے اسلامی تعلیمات تک پہنچ رہے ہیں۔

ظ۔ أ۔ خ

وسطی افریقہ کی آبادی تین ملین ہے جس میں پانچ فی صد مسلمان ہیں۔ پہلی بار وہاں پچھلی صدی میں اسلام عرب تاجروں کے ذریعہ پہنچا تھا۔

وسطی افریقہ کے دارالسلطنت بانگی میں لیبیا ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرا رہا ہے۔ اس مسجد کا نام "مسجد صلاح الدین بوکاسا" ہوگا۔

وسطی افریقہ کا رقبہ ۲۲۷۱۱۸ مربع میل ہے۔ آبادی ۹،۰۰۷۲۲۔ دارالسلطنت بانگی ہے۔ سرکاری زبان فرانسیسی ہے۔ آب و ہوا گرم مرطوب ہے۔ یہ بنیادی طور پر زرعی ملک ہے، مشینیں وغیرہ باہر سے منگائی جاتی ہیں۔ اس کی برآمدی اشیاء روئی، ہیرا، کافی، لکڑی وغیرہ ہیں۔

وسطی افریقہ پر فرانسیسی قبضہ کا آغاز ۱۸۸۹ میں ہوا تھا۔ ۳۰ اگست ۱۹۶۰ء کو اسے آزادی ملی۔ ستمبر ۱۹۶۰ سے وہ اقوام متحدہ کا ممبر ہے۔ فروری ۱۹۷۲ میں موجودہ صدر ساری عمر کے لئے صدر مقرر ہوئے تھے۔

انگریزوں کے برعکس، فرانسیسی اور دوسرے یورپی مستعمرین کا اقتدار جہاں رہا۔ انھوں نے مقامی باشندوں کی تعلیم کی بالقصد حوصلہ شکنی کی۔ چنانچہ وسطی افریقہ میں پہلی یونیورسٹی، آزادی کے بعد ۱۹۷۰ میں قائم ہوئی ۱۹۷۱ء میں ملک کے اندر ۷۷۸ پرائمری اسکول تھے جن میں طلبہ کی تعداد ۱۷۸۵۵۰ تھی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونی ممالک میں جانے والے طلبہ کی تعداد ۶۰۰ تھی۔ ۱۹۷۲ء میں اس کا مرکزی بجٹ ۱۱۶۸۰ ملین فرانک تھا □
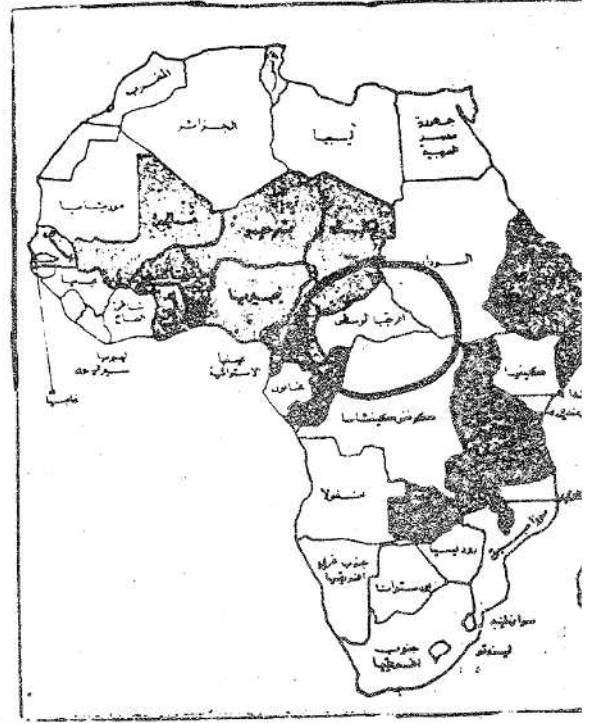
تھیوسوفیکل سوسائٹی : ایک تعارف

الرسالہ کے مضامین میں ہم زیادہ سے زیادہ تنوع پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ خیال ہے کہ مختلف مذاہب اور روحانی اور اخلاقی تحریکوں کے تعارف کا بھی ایک صفحہ رکھا جائے۔ زیر نظر مضمون اسی کے تحت شائع کیا جا رہا ہے۔ اگر ناظرین نے پسند کیا تو یہ سلسلہ آئندہ بھی انشاء اللہ جاری رہے گا۔

تھیاسوفیکل سوسائٹی ۱۷ نومبر ۱۸۷۵ کو نیویارک میں قائم ہوئی۔ اس وقت کرنل ہنری اسٹیل اولکاٹ (امریکی) اس کے صدر اور میڈم ایچ پی بلاوٹسکی (روسی) اس کی سکریٹری تھیں۔ چند سال کے بعد انھیں نیویارک چھوڑنا پڑا کیونکہ سوسائٹی کا دفتر جس مکان میں تھا۔ اس کا کرایہ وہ ادا نہ کر سکے۔ اس کے بعد وہ لوگ ہندستان چلے آئے۔

۱۷ جنوری ۱۸۸۰ کو وہ بمبئی کے ساحل پر اترے۔ یہاں وہ تقریریں کرتے اور غیر ملکی اخبارات و رسائل میں مضامین لکھ کر اپنا خرچ چلاتے۔ ۱۸۸۲ میں وہ جنوبی ہند پہنچے۔ وہاں انھوں نے مدراس کے پاس قصبہ اڈیار میں ۲۷ ایکڑ زمین خریدی۔ بعد کو ڈاکٹر اینی بسانت سوسائٹی کی صدر ہوئیں تو انھوں نے مزید ۲۱ ایکڑ زمین خرید کر اس میں شامل کی اور سوسائٹی کے صدر دفتر کی عمارتیں بنائی گئیں۔

سوسائٹی کی بنیادی کتابیں دو ہیں:

SECRET DOCTRINE (پوشیدہ اصول)

THE KEY TO THEOSOPHY (تھیاسوفی کی کنجی)

ان کا عقیدہ ہے کہ قدیم زمانہ کے سات اشخاص اب بھی زندہ ہیں۔ وہ انسانی بہبود کے لئے لگاتار کام کر رہے ہیں۔ سوسائٹی کو ان کا آشیرواد حاصل ہے۔ اس وقت سوسائٹی کے ممبروں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتائی جاتی ہے۔

سوسائٹی میں ہر مذہب کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ بھی جو کسی مذہب کو نہیں مانتے۔ اپنے بیان کے مطابق سوسائٹی کا مقصد سچائی کی تلاش اور انسانی برادری ہے

اس کے بڑے بڑے لیڈر جو اب تک ہوئے ہیں، وہ یہ ہیں۔

H.P. Blavatsky	1831-1891
H.S. Olcott	1832-1907
Dr. Annie Besant	1847-1933
Subramanyam Aiyar	1842-1924
C.W. Leadbeate	1847-1934
W.Q. Judge	1851-1896
C. Jinarajadasa	1875-1953
N. Sri Ram	1889-1973
Dr.G.S. Arundale	1878-1945

سوسائٹی کے قیام کے وقت اس کے ممبروں کی تعداد صرف پندرہ تھی۔ اب تقریباً ساٹھ ملکوں میں پھیل گئی ہے اور ۱۲ سو شہروں اور قصبات میں اس کی شاخیں قائم ہیں۔ سوسائٹی کے بانی مشرقی دانش سے متاثر تھے اور انسان کے اندر از سر نو روحانی بیداری لانے کے لئے اس کو قائم کیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ ایک ہندستانی مہاتما کے چیلے ہیں جن کی روح جیون مکت ہو کر ہمالیہ کے اندر مقیم ہے۔ سوسائٹی کا صدر مقام اڈیار اب پھیل کر شہر بن گیا ہے۔ اس پر سکون مرکز میں دنیا

بھرے لوگ "اندرونی طاقت" حاصل کرنے کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ہندؤوں کے لئے بنارس، مسلمانوں کے لئے مکّہ اور یہودیوں کے لئے یروشلم کی جو حیثیت ہے۔ وہی تھیاسوفی کے پیروؤں کے لئے اڈیار کی ہے۔ مسز اینی بسانت نے ہندستان کی سیاسیات میں شامل ہو کر غیر معمولی شہرت حاصل کی۔ برنارڈ شانے ان کو دنیا کی "سب سے بڑی خاتون مقرر" کہا تھا۔ اب اس کے چھٹے صدر جان بی۔ ایس۔ کوٹس (پیدائش ۱۹۰۶) ہیں۔ یہ ایک انگریز ہیں اور بیک وقت چار عالمی زبانوں میں لکچر دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں: فرانسیسی، اسپینی، جرمن اور انگریزی۔ مسٹر کوٹس نے ایک انٹرویو میں کہا: ہم نے مشرقی دانش اور مغربی اقدار کو ملا کر ایک دنیا بنانے کی کوشش کی ہے۔ ہم روحانیات میں ایک اقوام متحدہ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ سوسائٹی کے چھٹے صدر مسٹر کوٹس نے کہا: "تھیاسوفیکل سوسائٹی کی تعلیم اور کتابوں نیز دوسرے عوامل کے ذریعہ مغرب میں علوم مخفیہ سے دل چسپی بہت بڑھی ہے۔ مگر ایک خطرہ باقی ہے۔ اپنی اندرونی قوتوں کی تلاش میں انسان اب بھی روحانیت کے بجائے نفسیات پر زیادہ زور دے رہا ہے۔ ہمیں انسانیت کو اس سے بچانا ہے اور لوگوں کو بتانا ہے کہ علوم مخفیہ کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ خود غرضانہ زندگی کو ترک کر دیا جائے۔"

تھیاسوفیکل سوسائٹی کے مقصد کو مندرجہ ذیل شکل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ نسل، عقیدہ، جنس، فرقہ یا رنگ کے امتیاز کے بغیر عالمی انسانی برادری قائم کرنا۔

۲۔ مذہب، فلسفہ اور سائنس کے تقابلی مطالعہ کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۳۔ انسان کے اندر فطرت کے مخفی قوانین اور طاقتوں کا پتہ لگانا۔

تھیاسوفیکل سوسائٹی کی بانی بلاواتسکی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ خارق عادت واقعات ظہور میں لانے پر قادر تھیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ ۱۸۸۰ میں ایک بار وہ شملہ میں مقیم تھیں۔ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ جنگل میں پکنک منانے کے لئے گئیں۔ وہاں چائے تیار کی گئی تو اتفاق سے ایک نیا مہمان آگیا جس کے لئے پیالی اور پلیٹ موجود نہ تھیں۔ انھوں نے اپنی مخفی قوتوں کے ذریعہ ہوا سے ایک پیالی اور پلیٹ منگوائی جو ٹھیک اسی سائز اور ڈیزائن کی تھی جس کا ایک سٹ ان لوگوں کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ یہ پیالی اور پلیٹ اب بھی اپنی اصل حالت میں تھیوسوفی کے مرکز اڈیار میں موجود ہے۔

اسی طرح اور بھی قصے مشہور ہیں مثلاً وہ مرکز میں لگے ہوئے مختلف گھنٹوں میں سے کسی بھی گھنٹہ کو بغیر خارجی ذریعہ کے محض اپنی مخفی قوت سے بجا سکتی تھیں۔ بلاواٹسکی مہاتما موریہ کو اپنا گرو بتاتی تھیں جو عرصہ ہوا مر چکے تھے۔ مگر بلاواتسکی کے بیان کے مطابق ان کی روح ہمالیہ کے اوپر موجود تھی۔ کوئی شخص اس مہاتما کی روح سے تعلق قائم کرنا چاہتا تو وہ بلاواتسکی کے ذریعے کر سکتا تھا۔ وہ اپنی بات بلاواتسکی سے کہتا۔ بلاواتسکی اس بات کو مخفی ذرائع سے مہاتما کی روح کو پہنچاتیں۔ مہاتما کی روح اس کا جواب دیتی۔ یہ جواب ایک کاغذ پر انگریزی زبان میں اچانک چھپ جاتا۔ وغیرہ

جے۔ کرشنا مورتی نے اپنی نوجوانی کی عمر میں ۱۹۲۵ میں تھیوسوفیکل سوسائٹی میں شرکت کی تھی۔ وہ ایک نہایت غریب خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ مسز اینی بسانت نے بچپن ہی میں ان کو ان کے خاندان سے لے لیا اور ان کو اعلیٰ تعلیم

تھیوسوفیکل سوسائٹی کے لوگ ہی ہوتے ہیں۔

میڈیم بلاواتسکی ۱۸۷۳ میں پانی کے جہاز کے ذریعہ ہاور سے امریکہ جارہی تھیں۔ ان کے پاس فرسٹ کلاس کا ٹکٹ تھا۔ انھوں نے دیکھا کہ بندرگاہ پر ایک غریب عورت حسرت وافسوس کے عالم میں پڑی ہوئی ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کا شوہر امریکہ میں مزدور ہے۔ اس نے اپنے چھوٹے بچہ کے ساتھ تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لیا تھا تاکہ امریکہ میں اپنے شوہر کے پاس جا سکے۔ مگر عین وقت پر جہاز کے ذمہ داروں نے بتایا کہ اس کا ٹکٹ جعلی ہے۔ کسی نے اس کو دھوکا دے کر اس سے پیسے وصول کئے اور اس کو جعلی ٹکٹ دے دیا۔ بلاواتسکی نے فوراً اپنا فرسٹ کلاس ٹکٹ واپس کیا اور تیسرے درجہ کا ڈھائی ٹکٹ لے کر عورت اور اس کے بچے کے ساتھ معمولی کلاس میں سفر کر کے امریکہ پہنچیں
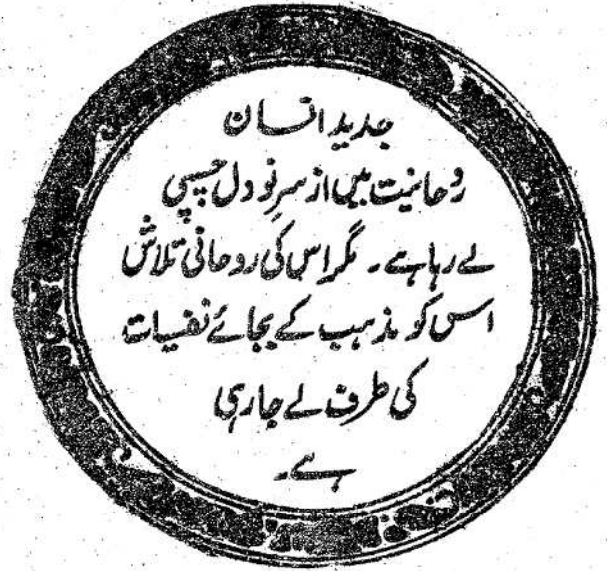
دلائی۔ وہ تھیوسوفیکل سوسائٹی کے ایک مشہور فرد بن گئے۔ مگر ۱۹۳۰ میں ان کو سوسائٹی سے اختلاف ہوگیا۔ انھوں نے سوسائٹی چھوڑ دی۔ ان کا کہنا تھا کہ سچائی کو کسی تنظیم کے ذریعہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ تنظیم آزادانہ تلاش کے بجائے تعصب کا ذہن پیدا کرتی ہے۔ تاہم آج بھی کرشنا مورتی کے جلسوں میں شرکت کرنے والے سب سے زیادہ

کیا ہم اس امتحان کی تیاری کر رہے ہیں

شفیق احمد صاحب
انبالہ والا دہلی

قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے:

- عمر کن کاموں میں لگائی ؟
- اپنی جوانی کہاں صرف کی ؟
- مال کہاں کہاں سے کمایا ؟
- مال کہاں کہاں صرف کیا ؟
- جو علم حاصل ہوا اس پر کہاں تک عمل کیا ؟

راوی: حضرت ابن مسعودؓ ——— ترمذی

مدینہ میں تین مذاہب کی کانفرنس

پیغمبر اسلامؐ نے مسجد کے اندر غیر مسلموں کو اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی۔ آج پیغمبرؐ کے ماننے والوں کا یہ حال ہے کہ انھیں یہ بھی گوارا نہیں کہ دوسرے لوگ مسجد میں آکر خدا کی بتائی ہوئی عبادت کا طریقہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

ہجرت کے دسویں سال نجران (یمن) کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اس وقت مدینہ اسلام کا مرکز بن چکا تھا۔ تاہم یہودی بھی بڑی تعداد میں وہاں موجود تھے۔ ۶۰ ممتاز عیسائیوں کا وفد جب مدینہ پہنچا تو یہودی بھی آکر ان سے ملنے لگے۔ اس طرح عملاً یہ وقت کے تین بڑے مذاہب کی کانفرنس بن گئی۔ اسی لئے ڈاکٹر ہیکل نے اس کو "موتمر الادیان الثلاثہ" کا نام دیا ہے۔

(حیاۃ محمد، صفحہ ۲۳۴)

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے:

قدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفد نصاریٰ من نجران ستون راکبا فیھم اربعۃ عشر رجلا من اشرافھم، فدخلوا علیہ مسجدہ حین صلی العصر، وقد حانت صلاتھم فقاموا فی مسجدہ، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعوھم فصلوا الی المشرق

آپ کے پاس نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا۔ یہ لوگ ۶۰ سوار تھے۔ ان میں ۱۴ کی تعداد میں ان کے ممتاز افراد تھے۔ یہ لوگ مسجد نبوی میں عصر کے وقت پہنچے (یہ غالباً اتوار کا دن تھا) جب کہ ان کی نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ وہ مسجد نبوی میں اپنی نماز ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ان کا رخ (مسلمانوں کے برعکس) مشرق کی جانب تھا۔ (لوگوں نے روکنا چاہا) آپ نے فرمایا، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اس طرح ایک طرف اسلام نے اپنی رواداری اور حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا۔ دوسری طرف عیسائیوں اور یہودیوں نے یہ کیا کہ وہ آپس میں اور مسلمانوں کے خلاف مناظرانہ انداز سے مذہبی بحثیں کرنے لگے۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا تو یہودیوں نے کہا: ابراہیمؑ یہودی تھے، عیسائیوں نے جواب دیا: تم غلط کہتے ہو، ابراہیمؑ عیسائی تھے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نرمی کے ساتھ انھیں بتایا: ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں اس قسم کی بحثیں کر رہے ہو، توریت اور انجیل تو ان کے بعد اتری ہیں۔ پھر وہ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے تھے۔ حقیقت یہ کہ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی۔ وہ تو سچے موحد اور خدا کے تابعدار تھے۔ (آل عمران — ۶۷)

اس طرح کی بحثیں مدینہ کی اس مجلس میں جاری رہیں۔ ایک بار یہودیوں نے آپ سے کہا: محمد! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بھی عبادت کرنے لگیں جس طرح عیسائی لوگ عیسیٰ کی کرتے ہیں۔ نجران کے ایک عیسائی نے

یہ سن کر کہا: ہاں ہم بھی آپ سے یہ جاننا چاہتے ہیں۔ اس لئے بتائیے کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: خدا کی پناہ کہ میں اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی طرف بلاؤں۔ خدا نے مجھے اس کام کے لئے نہیں بھیجا۔

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اہل نجران جب مدینہ آئے اور یہود ان کے پاس جمع ہوئے تو دونوں نے ایک دوسرے کو غلط ثابت کرنا شروع کیا:

فقال رافع بن حرملة ما انتم علی شئ وکفر بعیسی و بالانجیل، فقال رجل من اهل نجران من النصاری للیهود ما انتم علی شئ وجحد نبوة موسی وکفر بالتوراة

رافع بن حرملہ یہودی نے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو اور عیسیٰ اور انجیل کا انکار کیا۔ نجران کے ایک عیسائی نے کہا تم کسی چیز پر نہیں ہو اور موسیٰ اور توراۃ کا انکار کیا۔

پیغمبر اسلام نے دیکھا کہ گفتگو اور دلائل امر حق کو واضح کرنے میں ناکام ثابت ہو رہے ہیں تو آپ نے مباہلہ کا طریقہ اختیار فرمایا۔ قرآن میں حکم آیا کہ "جو لوگ اب بھی آپ سے بحث جاری رکھے ہوئے ہیں، جب کہ علم حق تمہارے پاس پہنچ چکا ہے تو ان سے کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی لائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی۔ پھر خدا سے کہیں کہ ہم میں سے جو جھوٹا ہے، اس پر خدا کی لعنت ——" (آل عمران-۶۱) آپ نے وفد کے ارکان سے یہ کہا اور اسی کے ساتھ فاطمہ، علی، حسن اور حسین کو لے کر میدان میں پہنچ گئے۔ مگر نجران کے عیسائیوں کو اس معاملہ میں شریک ہونے کی ہمت نہ پڑی۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم ابھی آپ کے مذہب کو نہیں مانتے، البتہ اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔

سر ولیم میور نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "سارے واقعہ میں محمدؐ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے۔ اور اس لئے حق تمام تر انھیں کے ساتھ ہے"
> (لائف آف محمد، صفحہ ۲۶۰)

مبارک کام

اخبار پرتاپ (۱۲ اکتوبر ۱۹۷۶) نے اپنے ادارتی نوٹ میں محمد علی کلے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا: "محمد علی جیسے کم ہی کھلاڑی ہوتے ہیں۔ باکسنگ نے اسے کروڑپتی بنا دیا۔ اب اس کے دماغ میں اسلام کی سیوا کا سودا ہے۔ یہ مبارک کام ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اسلام کی سیوا سے بھی یہ اسی طرح منحرف تو نہیں ہونا جیسے اپنے ریٹائر ہونے کے اعلانوں سے ہوتا ہے۔"

کیسی عجیب بات ہے۔ مسلمان وہ تمام کام کرتے ہیں جن کو دوسرے نامبارک سمجھیں۔ البتہ وہی ایک کام کرنے کے لئے نہیں اٹھتے جو نہ صرف یہ کہ ان کا سب سے بڑا مذہبی فرض ہے۔ بلکہ اغیار تک جس کو پیشگی مبارک کہنے کے لئے تیار ہیں

مطالعہ

حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے دوسرے سال ۲۵ھ میں جمع قرآن کا کام کیا۔ صدیق اکبر کا تیار کرایا ہوا مصحف، جو حضرت حفصہ کے پاس محفوظ تھا، اس کو انھوں نے منگوایا، اور زید بن ثابت کی نگرانی میں اس کے چھ نسخے تیار کرائے۔ ایک ایک نسخہ شام، بصرہ، کوفہ، مکہ اور مدینہ والوں کے لئے خاص کیا اور حکم دیا کہ اس کے سوا جو مصاحف ہیں وہ محو کر دیئے جائیں۔ اور ایک نسخہ خود اپنے پاس رکھا۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ قرآن کی قرأت میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔ مثلاً یزید نخعی کہتے ہیں کہ میں ولید بن عقبہ کے زمانہ میں ایک مسجد میں تھا۔ ایک شخص نے آواز دی: جو شخص ابوموسیٰ کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ باب کندہ کے حلقہ میں آجائے۔ دوسرے نے آواز دی: جو ابن مسعود کی قرأت پر قرآن پڑھتا ہو وہ دار عبداللہ کے حلقہ میں آجائے۔ دونوں سورہ بقرہ کی ایک آیت میں مختلف تھے۔ ایک اتموا الحج والعمرۃ للبیت پڑھتا تھا۔ دوسرا اتموا الحج والعمرۃ للہ۔ اس طرح کے اختلافات کثرت سے پیدا ہو گئے تھے اور لوگ اپنی پسندیدہ قرأت

مصحف عثمانی
محفوظ تاشقند
کا
ایک صفحہ

یہ نسخہ ۳۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔
ہر صفحہ کا سائز ۵۳ × ۶۸ سنٹی میٹر ہے۔
اور ہر صفحہ میں دس سطریں ہیں۔
بالمقابل عکس میں سورہ انعام
رکوع ۱۶ کی ابتدائی چند آیتیں
نظر آ رہی ہیں۔

کے خلاف پڑھنے والوں کی تکفیر کرنے لگے تھے۔

حضرت عثمان کے یہ نسخے چونکہ ام المصاحف کی حیثیت رکھتے تھے، لوگوں نے انتہائی اہتمام کے ساتھ ان کی حفاظت کی۔ بعد کو وہ خلفاء اور سلاطین کے خزانوں میں قیمتی تبرک کی حیثیت سے رکھے گئے۔ پھر سیاسی انقلابات اور حکومتوں کی تبدیلی کے نتیجہ میں وہ اِدھر سے اُدھر ہوتے رہے۔ قاہرہ کے مجلہ "الدنیا وکل شئی" نے اپنی اشاعت ۲۴ راگست ۱۹۳۸ء میں لکھا تھا:

مصحف عثمانی کا ایک نسخہ ترکی فوجیں مدینہ سے ترکی لے گئیں۔ وہاں سے وہ جرمن شہنشاہ ولیم ثانی تک پہنچا، اور ایک معاہدہ کے مطابق یہ نسخہ دوبارہ واپس ہو کر حکومت حجاز کو مل گیا۔ ابن جبیر نے لکھا ہے کہ وہ اپنی سیاحت کے دوران ۵۸۰ھ میں مدینہ پہنچے تو وہاں مسجد نبوی میں عثمانی مصحف موجود تھا۔ بعض معاصر محققین نے لکھا ہے کہ مدینہ میں مصحف عثمانی ۱۳۳۴ھ تک موجود تھا۔ اس کے بعد ترک اسے آستانہ لے گئے۔ (۲۰)

قرآن کا وہ نسخہ جو حضرت عثمان نے اپنے لئے خاص کیا تھا، بعض روایتوں کے مطابق وہ آپ کے بعد آپ کے خاندان میں محفوظ رہا۔ پھر بنی امیہ کے ساتھ وہ اندلس پہنچا۔ اندلس میں جب حکومت اسلامی ختم ہوئی تو وہ فاس منتقل ہو گیا۔ ابن بطوطہ کے بیان کے مطابق آٹھویں صدی ہجری میں وہ فاس میں موجود تھا اور اس پر خون کا نشان تھا۔ بعض دوسرے لوگ اس بیان کی صحت پر شک کرتے ہیں۔ ابن کثیر نے فضائل القرآن (صفحہ ۴۹) میں لکھا ہے کہ مصحف عثمانی کا ایک نسخہ میں نے دمشق میں دیکھا ہے۔ یہ نہایت عمدہ لکھا ہوا تھا۔

تاشقند کا موجودہ نسخہ تیمور کے زمانے سے سمرقند میں تھا۔ ۱۸۶۸ء میں جب روس کا غلبہ سمرقند میں ہوا تو زار کے حکم کے تحت وہ پیٹرس برگ کے میوزیم میں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۹۱۷ کے اشتراکی انقلاب کے بعد مسلمانوں نے لینن سے اس کی واپسی کی درخواست کی، چنانچہ لینن کے حکم کے تحت واپس ہو کر وہ تاشقند پہنچا۔

حضرت عثمان کے مصحف خاص کے محفوظ رہنے میں جو لوگ شک کرتے ہیں۔ ان کے شک کی بنیاد متعدد امور پر ہے۔ برزنجی نے اپنی کتاب نزہۃ الناظرین میں لکھا ہے کہ اس وقت چار نسخے موجود ہیں (مکہ، مدینہ، قاہرہ اور پٹروگریڈ میں) اور چاروں کے بارے میں مصحف عثمانی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، حیرت انگیز بات ہے کہ چاروں نسخوں میں آیت قرآنی فسیکفیکھم اللہ پر سرخ نشان ہے۔ حالانکہ اس قسم کا نشان کسی ایک ہی نسخہ پر ہو سکتا ہے۔ (زیر نظر کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ بعد کو لوگوں نے اپنے نسخوں پر بطور تبرک مندرجہ بالا آیت پر سرخ نشان لگا لیا) اسی طرح بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مصحف عثمانی میں آیت ولات حین مناص (ص-۳) کو ولا تحین لکھا گیا تھا، جبکہ موجودہ تینوں مصاحف میں ولات حین لکھا ہوا ہے وغیرہ۔

مصنف کی یہ کوشش قابل داد ہے کہ انھوں نے نہایت محنت سے دونوں قسم کے دلائل اور روایتیں جمع کر دی ہیں۔ تاہم آخر میں انھوں نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ

تاریخ المصحف العثمانی طشقند (عربی)
تالیف: الشیخ اسماعیل مخدوم
الادارۃ الدینیۃ فی المطبعۃ الحکومیۃ، طشقند
۱۹۷۱، صفحات ۵۲

یہی ہے کہ تاشقند کے میوزیم کا موجودہ نسخہ اصل عثمانی نسخہ ہے۔ ان کے خیالات کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ ابن قتیبہ نے مصحف عثمانی کا طوس تک پہنچنا بیان کیا ہے۔ تاریخ سمرقند سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے ایک عزیز جن کا نام سعید تھا اس نسخہ کو ۵۶ھ میں سمرقند لے آئے۔

۲۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ انھوں نے بصرہ میں مصحف عثمانی کو دیکھا تھا، قیاس ہے کہ تیمور نے اس کے بعد جب بصرہ پر قبضہ کیا تو وہ اس نسخہ کو سمرقند لے آیا، اس کے بعد سے یہ نسخہ مسلسل سمرقند میں رہا۔ پھر ۱۹۱۷ کے اشتراکی انقلاب کے بعد تاشقند منتقل ہوا:

ان ھذا المصحف الموجود عندنا ھو احد المصاحف العثمانیۃ التی بعث بھا الی الامصار ان لم نقل انہ نفس المصحف الامام اذ دعوی ذلک یحتاج الی نصوص صریحۃ (صفحہ ۴۰)

"یہ مصحف جو آج ہمارے پاس ہے، اگر یہ وہی مصحف نہ ہو جو حضرت عثمان کے زیر تلاوت تھا تو کم از کم وہ ان مصاحف میں سے ایک ضرور ہے جو آپ نے تیار کرا کر مختلف شہروں کو روانہ فرمایا تھا۔ کیونکہ اس کو حضرت عثمان کا ذاتی مصحف قرار دینے کے لئے ہمارے پاس صریح دلائل موجود نہیں ہیں۔"

اس مصحف میں کل ۷۰۶ صفحات تھے۔ اب صرف ۵۵۲ صفحات باقی رہ گئے ہیں۔ بقیہ کو لوگ تبرک کے طور پر نکال لے گئے۔ (۲۹) اگر انھیں معلوم ہوتا کہ یہ تبرک نہیں بلکہ اسلام کی تاریخی دستاویز ہے تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے —— مذہب کے غلط تصور نے مذہب کو کس قدر نقصان پہنچایا ہے □

نیاز فتحپوری

جب آپ دلدل میں پھنس جائیں ؟

۱۹۰۹ء میں میرا تعلق ریاست باؤنی کدورہ (بندیل کھنڈ) سے ہوگیا تھا۔ نواب ریاض الحسن خاں کا عہدِ حکومت تھا۔ اس وقت میرے بہنوئی محمد سلیمان خاں مودھا (ضلع ہمیرپور) کے تھانہ میں مامور تھے۔ اور میں ہر پندرہویں دن اپنی بہن کو دیکھنے وہاں چلا جاتا تھا۔ فاصلہ صرف دس بارہ میل کا تھا جسے میں گھوڑے پر طے کرتا تھا۔

میں شام کو کدورہ سے چلا۔ میں جاگیر بیری کے قریب پہنچا جو کدورہ سے صرف تین میل دور تھی۔ تو آفتاب غروب ہوچکا تھا اور رات کا دھندلکا شروع ہوگیا تھا۔ جاگیر بیری ایک اونچی پہاڑی پر دریا کے کنارے واقع ہے اور مودھا جانے کے لئے اس دریا کو عبور کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اس دریا کے دونوں کناروں پر دور دور تک ریت پھیلی ہوئی ہے۔ میں ریت کے اس حصے کو معمولاً پیدل طے کرتا تھا تاکہ گھوڑے پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔ لیکن اس مرتبہ دیر ہوجانے کی وجہ سے میں گھوڑے پر سوار رہا اور اسے تیز تیز چلانے لگا

اس دریا کے متعلق مشہور تھا کہ اس کے کناروں پر کہیں کہیں چور بالو بھی پائی جاتی ہے۔ چور بالو سے مراد وہ رتیلا حصہ ہے۔ جو بظاہر صاف اور مسطح نظر آتا ہے لیکن پانی کی سطح سے قریب تر ہونے کی وجہ سے اس کے نیچے دلدل ہوجاتی ہے اور اس پر پاؤں رکھتے ہی آدمی ہو یا جانور اندر دھنسنے لگتا ہے۔ اس مرتبہ چونکہ مجھے جلدی تھی اس لئے معمولی راستہ سے ہٹ کر میں نے مختصر راستہ اختیار کرنا چاہا۔ اور گھوڑے کو اسی طرف ڈال دیا۔ تھوڑی دور چل کر مجھے ایک رتیلی تنگنارے ملی۔ اور میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی تاکہ وہ اسے پھاند کر گزر جائے۔ میں تاریکی میں اس کی چوڑائی کا صحیح اندازہ نہ کرسکا۔ زیادہ سے زیادہ میں اسے تین گز کا سمجھتا تھا۔ حالانکہ وہ چھ گز سے کم نہ تھا۔ میرے ایڑ لگانے پر گھوڑے نے جست تو کی، لیکن وہ اس فاصلہ کو عبور نہ کرسکا۔ اور اس کے اگلے پاؤں رتیلے حصے کے اندر ہی رہے۔ اس کے بعد دفعتاً گھوڑا اندر دھنسنے لگا تو مجھے پتہ چلا کہ میں چور بالو میں پھنس گیا ہوں۔ چور بالو سے جان بچانے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ اس سے نکلنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ مارے جائیں (اس طرح آدمی اور اندر دھنستا چلا جاتا ہے۔) بلکہ اپنے آپ کو بالو پر چت یا پٹ ڈال دیا جائے گھوڑا سینہ تک دھنس چکا تھا اور میں بھی اس کے ساتھ گھٹنوں گھٹنوں بالو کے اندر غرق تھا۔ غور کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ گھوڑے کو بچانا تو ممکن نہیں اس لئے اس کے ساتھ اپنی جان کیوں گنوائی جائے۔ میں نے آہستہ آہستہ اپنے دونوں پاؤں رکاب سے الگ کرکے اوپر نکالے اور فوراً چور بالو پر بے حس و حرکت لیٹ گیا۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت بیری کے دو راجپوت گھر لوٹتے وقت میرے پاس سے گزرے۔ اور میں نے انہیں آواز دی —— وہ دونوں دوڑے ہوئے آئے اور انہوں نے اپنی پگڑی کھول کر اس کا سرا میری طرف پھینکا کہ اسے مضبوط پکڑ لوں۔ اور جب میں نے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا تو انہوں نے مجھے آہستہ آہستہ گھسیٹنا شروع کیا۔ اور میں اس چور بالو سے نکل گیا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ گھوڑے کو کیوں کر نکالا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے یہ ترکیب نکالی کہ پگڑی کا ایک سرا پھندا بنا کر اس کی گردن میں ڈالا جائے اور اس کو بھی گھسیٹا جائے۔ میں لگام کا جھٹکا دینے لگا۔ مگر گھوڑا تھک کر اس قدر بے جان ہوگیا تھا کہ جھٹکے سے بھی اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔ اور آخر کار وہ دھنستے دھنستے غائب ہوگیا ◻

مکتوب ریاض

ظفرالاسلام خاں ایم اے

مؤتمر الفقہ الاسلامی

سعودی عرب کے دارالسلطنت الریاض میں اکتوبر ۱۹۷۶ء کے آخری ہفتہ میں اسلامی قانون کے بارے میں ایک اہم بین اقوامی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ساری دنیا سے تقریباً ۵۰ علماء و مفکرین اسلام نے شرکت کی۔

آٹھ دن کی فکر انگیز ملاقاتوں اور مناقشات کے بعد اسلامی فقہ کانفرنس ۳۱ اکتوبر کو ختم ہوئی۔

کانفرنس کی اہم قراردادیں حسب ذیل ہیں:

— اسلامی ملکوں میں شریعت اسلامیہ کو فوری طور پر نافذ کرنے کا مطالبہ۔

— اسلامی فقہ اکیڈمی کا قیام جو کہ اسلامی قوانین کی جدید تدوین کے علاوہ عصر حاضر کے پیدا کردہ مسائل کا حل تلاش کرے گی اور اس میں تمام عالم اسلامی کے ممتاز علماء و مفکرین شامل ہوں گے۔ یہ اکیڈمی کانفرنس کی دعوت دینے والی جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ (الریاض) میں قائم کی جائے گی۔

— مسلم ممالک میں سود کا فوری طور سے خاتمہ، اور بنکاری اور دوسرے اقتصادی امور کو اسلامی قانون کے مطابق ڈھالنا۔

— جامعۃ الامام محمد بن سعود میں اقتصادی ریسرچ کا مرکز قائم کرنا۔

— مناہج تعلیم میں اسلامی علوم و ثقافت کو کما حقہ داخل کرنا۔

— ایک دائمی مرکز کا قیام جو اسلام کے خلاف استشراقی، الحادی اور صلیبی فکری حملوں پر نظر رکھے اور ان کا توڑ کرے۔

— اسلامی انسائیکلوپیڈیا کو تیار کرنا۔

— عالمی اسلامی صحافتی ادارہ کا قیام جو کہ پرچوں اور روزناموں کے ذریعے اسلامی قضایا کو ابھارے اور عمدہ اسلامی کتابوں کا ترجمہ کرے۔

— اسلامی تعلیمی ریسرچ کے لئے جامعۃ الامام محمد بن سعود اور دوسری اسلامی یونیورسٹیوں میں دائمی مراکز کا قیام جو کہ عمدہ کتابیں تیار کرے تاکہ اسلامی مدارس میں تدریسی کتابوں کا خلا پورا ہو سکے۔

کانفرنس پہلی ذی القعدہ (۲۴ اکتوبر ۱۹۷۶ء) کو شروع ہوئی تھی۔ پہلے اجلاس کا افتتاح سعودی ولی عہد الامیر فہد بن عبدالعزیز نے کیا۔ انھوں نے کانفرنس کی اہمیت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ ان کا ملک اس کانفرنس کی قراردادوں کو نافذ کرنے کے لئے تیار ہے۔

دوسرے دن کانفرنس کے اعضاء کو (جو کہ ۲۶ ملکوں سے آئے تھے) چار کمیٹیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

پہلی کمیٹی نے کانفرنس کے ایجنڈا کے مندرجہ ذیل مسائل پر غور کیا:

— اسلامی شریعت کی تطبیق ہر زمان و مکان کے لئے واجب ہے۔

— شریعت کے بارے میں پیدا کئے ہوئے شبہات۔

— مسئلہ اجتہاد۔

دوسری کمیٹی

—— اسلام میں نظام قضاء (عدالت)

—— حدود شرعیہ کی تطبیق کا سوسائٹی کے امن واستقرار پر اثر۔

تیسری کمیٹی:

—— سوسائٹی کے لئے اسلام کا اقتصادی نظام۔

—— اسلامی بنک۔ نظریہ وتطبیق میں۔

چوتھی کمیٹی:

—— ذرائع ابلاغ اوران کا اسلامی قدروں کے پھیلانے اورمحفوظ رکھنے میں اثر۔

—— اسلامی تعلیم کا سوسائٹی پر اثر۔

—— فکری اور اسلام دشمن حملے۔

اگلے چار دنوں تک کمیٹیوں نے صبح کے جلسوں میں الگ الگ اپنے موضوعات پر بحث کی اور اپنی قرار دادوں کو قرار دادیں تیار کرنے والی کمیٹی کے حوالے کر دیا اور عمرہ و زیارت مسجد نبوی کے راغبین نے جمعہ کے دن فوجی جہازوں کے ذریعہ یہ سعادت حاصل کی۔

شام کے جلسوں کو عام اجتماعات کے لئے رکھا گیا تھا جس میں تمام اعضاء اور سعودی یونیورسٹیوں کے طلباء اساتذہ اور دوسرے دلچسپی رکھنے والے لوگ شریک ہوتے تھے۔ موصول ہونے والے مقالات میں سے پانچ مقالات کو اس موقع پر پڑھنے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

پہلے دن کے اجلاس میں مولانا وحیدالدین خاں صاحب کا مقالہ تھا جو کہ بعض مصروفیات کی وجہ سے کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ تاہم انھوں نے اپنا مقالہ بھیج دیا تھا۔ ان کی نیابت میں راقم الحروف نے یہ مقالہ پڑھا۔ یہ مقالہ، جس کا عنوان وجوب تطبیق الشریعۃ الاسلامیہ فی کل زمان ومکان تھا کانفرنس میں پیش ہونے والا سب سے عمدہ مقالہ تسلیم کیا گیا۔ مقالہ

مساء الاثنين ٢/١١/١٣٩٦هـ

● كلمة سماحة الشيخ عبد العزيز بن باز

محاضرتان عنوانها : « وجوب تطبيق الشريعة الإسلامية في كل زمان ومكان » لكل من الاستاذ : الدكتور عبدالسلام الترمانيني ، والاستاذ وحيدالدين خان .

مساء الثلاثاء ٣/١١/١٣٩٦هـ

● كلمة لسماحة الشيخ عبدالله بن حميد .

● محاضرة للاستاذ جمال المرصفاوي « نظام القضاء في الإسلام » .

مساء الخميس ٥/١١/١٣٩٦هـ

● محاضرتين بعنوان « الغزو الفكري والتيارات المعادية للاسلام » لكل من الدكتور « عبد الستار السعيد » والدكتور المهدي بن عبود .

لقاء قمة على المستوى الفكري!!

ختم ہونے کے بعد لوگ اس کی مطبوعہ کاپیاں حاصل کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے اور تھوڑی دیر میں سارا ذخیرہ ختم ہوگیا۔ کانفرنس میں شریک ہونے والے اعضائنے بکثرت مجھ سے ملاقات کی اور مقالے کو سراہتے ہوئے مولانا موصوف کو اپنی عقیدت و سلام پہنچانے کی درخواست کی۔ عزوز الرباعی (ڈائرکٹر جنرل الدار التونسیة للنشر جوکہ تونس کا سب سے بڑا اشاعتی ادارہ ہے) نے کہا کہ یہ مقالہ اس پورے سال کا سب سے عمدہ مقالہ تھا (ھذا اعظم بحث لھذہ السنة)

ترکی کے نمائندے محمد امین سراج نے کہا کہ "خدا کی قسم تم نے اس مقالہ سے ہمارے دلوں کو ٹھنڈک پہنچائی" (واللہ انك قد اثلجت صدورنا بھذا البحث)

دوسرے لوگ جنھوں نے مقالہ کو سراہا اور سلام پہنچانے کو کہا ان میں سے کچھ نام یہ ہیں:

احمد الحمانی (الجزائر کی وزارت امور دینیہ میں المجلس الاسلامی الاعلیٰ کے ڈائرکٹر)۔ محمد صلاح الدین المستاوی (ایڈیٹر جوہر الاسلام۔ تونس)۔ ڈاکٹر محسن عبدالحمید (پروفیسر بغداد یونیورسٹی)۔ مصر کے ڈاکٹر احمد شلبی۔ انور الجندی۔ رجب البنا (الاہرام) ڈاکٹر عبدالصبور شاہین۔ ڈاکٹر عبداللہ شماتہ، ڈاکٹر علی محمد جریشہ۔ ڈاکٹر محمد احمد عاشور (ایڈیٹر الاعتصام)۔ کویت کے ڈاکٹر جمال الدین عطیہ (ایڈیٹر المسلم المعاصر)۔ زین الدین الرکابی (ایڈیٹر المجتمع)۔ عبدالرحمن الولایتی (ایڈیٹر البلاغ)۔ عبداللہ العقیل (ڈائرکٹر امور اسلامیہ وزارت اوقاف)۔ سعودیہ کے شیخ محمد محمود الصواف (رابطۂ عالم اسلامی)۔ شیخ ابوبکر الجزائری (استاذ مدینہ اسلامی یونیورسٹی)۔ احمد محمد جمال (عضو مجلس الشوریٰ) مراکش سے عبدالرحیم بن سلامہ (صدر جمعیة التضامن الاسلامی)۔ ڈاکٹر عبدالمنعم البدراوی (پروفیسر معھد الادارة الوطنی) ترکی سے پروفیسر اسماعیل حقی اور ڈاکٹر مصطفیٰ بیلکا۔ امریکا سے عمر فاروق عبداللہ (شیکاگو یونیورسٹی)۔ جامعة الامام محمد بن سعود اور مدینہ یونیورسٹی کے متعدد اساتذہ و طلبا نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ بہت سے لوگوں نے کہا کہ ہم استاذ وحیدالدین خاں کی کتابوں کے ذریعے اپنے ملکوں میں الحادی اور کمیونسٹ خطرات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور ایسی ہی کتابیں موجودہ دنیا میں اسلام کو پیش کرسکتی ہیں۔

سعودی ذرائع ابلاغ (اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی وژن) نے خصوصیت سے مقالہ کا ذکر کیا۔ اور قاہرہ کے روزنامہ الاہرام نے اپنی ۲۹ راکتوبر ۱۹۷۶ کی اشاعت میں مقالہ کا واضح خلاصہ پیش کیا۔ انشاء اللہ آئندہ اس مقالہ کا اردو ترجمہ الرسالہ میں شائع کیا جائے گا۔ عربی زبان میں کئی جرائد اس کو شائع کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کتابچہ کی شکل میں وہ قاہرہ سے عنقریب شائع ہونے والا ہے۔

کانفرنس میں ہندوستان سے بلائے جانے والے

نمائندے یہ تھے۔

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۲۔ مولانا سید اسعد مدنی

۳۔ مولانا سعید الرحمٰن ندوی

۴۔ ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی

۵۔ مولانا وحید الدین خاں

ان میں اول الذکر اور دونوں آخر الذکر شریک نہ ہو سکے جس کا کانفرنس کے اعضاء کو شدید افسوس رہا — راقم الحروف کو لیبیا کی طرف سے دعوت ملی تھی۔

کانفرنس کے ساتھ ساتھ جامعۃ الامام محمد بن سعود نے اسلامی کتابوں کی نمائش کا بھی انتظام کیا تھا جس میں ۱۶ ملکوں کے ناشرین نے شرکت کی۔

کانفرنس اپنی جگہ بہت اہم تھی اور عمدہ اور طویل تیاریوں کی وجہ سے مکمل طور سے منظم و پرسکون تھی۔ سعودی عرب کے ممتاز اسلامی ہفت روزہ "الدعوۃ" نے اس کانفرنس کو لقاء قمۃ علی المستوی الفکری (اسلامی فکر کی چوٹی کانفرنس) سے تعبیر کیا۔

کانفرنس کے آخر میں ہم لوگوں نے اصرار کرکے یہ قرارداد بھی پاس کی کہ جامعۃ الامام محمد بن سعود میں کانفرنس کا دائمی آفس کھولا جائے جس کی ذمہ داری قراردادوں کو نافذ کرنا اور کرانا ہو۔ جامعہ کے ذمہ داروں سے مجھے یہ احساس ملا کہ وہ لوگ عزم صادق سے اس امانت کو نبھانے والے ہیں

کعبہ

وہ مرکزی نقطہ جس کے گرد دنیا بھر کے خدا پرستوں کا عبادتی دائرہ قائم ہوتا ہے۔

ہندوستان سے ریاض کی موتمر میں شریک ہونے والوں میں دو صاحبان مولانا سعید الرحمن اعظمی (ایڈیٹر البعث الاسلامی) اور مولانا اسحاق جلیس ندوی (ایڈیٹر تعمیر حیات) تاخیر سے ریاض پہنچے تھے۔ دوسرے بزرگ مولانا سید اسعد مدنی کی "مصروفیات" کے بارے میں جو مفصل روداد روزنامہ الجمعیۃ (۱۸ - ۱۹ر نومبر) میں دو قسطوں میں شائع ہوئی ہے وہ یہاں مکمل طور پر نقل کی جا رہی ہے

۲۴ر اکتوبر: اتوار یکم ذیقعد کی شب میں نائجیریا کے کچھ لوگ اس کمرے میں بھیج دیئے گئے جس میں ہم حضرت مولانا اسعد مدنی کے ہمراہ قیام فرما تھے۔ رات کو چار بجے جب ہم لوگوں کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ لوگ قبلہ کی طرف پشت کرکے نوافل پڑھ رہے ہیں۔ چنانچہ ان کو صحیح رخ بتایا گیا۔ پھر فجر ہونے پر حضرت مولانا کے ہمراہ ہم سب نیچے اترے کہ شاید باجماعت نماز کا بندوبست ہو۔ ہر طرف دیکھا مگر سب لوگ کمروں میں ہی تھے۔ کوئی نہیں نکلا تھا۔ آخر ہم لوگوں نے اپنے کمرے میں آکر جماعت کی۔ نماز فجر کے بعد مولانا اسعد صاحب ٹہلنے کے لئے تشریف لے گئے ان کی واپسی تک ہم لوگوں نے انتظار کیا اور اس کے بعد ناشتہ کے لئے بیٹھے۔

ناشتہ کے بعد ہم لوگ نیچے گئے جہاں حضرت مولانا مدظلہ العالی اور دوسرے لوگوں نے سب کمیٹیوں میں اپنے نام لکھائے۔ اس کے بعد مختلف مندوبین سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہوا جو بہت دیر تک جاری رہا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر ہم لوگوں نے کچھ دیر آرام کیا کیونکہ تیسرے پہر افتتاح ہونا تھا۔

۳½ بجے افتتاح کا وقت مقرر تھا۔ جب ہم موتمر کے ہال میں پہنچے تو تقریباً ہال بھرا ہوا تھا اور تمام لوگ ولی عہد کے لئے چشم براہ تھے وہ ابھی نہیں پہنچے تھے۔ غالباً چار چالیس کا وقت ہوگا جب وہ تشریف لائے۔ ان کی تقریر کے ساتھ کانفرنس کا آغاز ہوا جو چالیس منٹ تک جاری رہی۔ ان کے بعد وزیر تعلیم سعودی عرب نے تقریر کی۔ آخر میں تمام مندوبین کی جانب سے ترکی مندوب ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن نے تقریر کی۔ اور ساڑھے پانچ بجے کے قریب یہ افتتاحی اجلاس ختم ہوا۔

۲۵ر اکتوبر۔ صبح کی نماز کے بعد حضرت مولانا اسعد مدنی نائجیریا کے مندوب ملحی لقانی کے ہمراہ سیر کو تشریف لے گئے۔ واپس آکر غسل کیا۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا ابوظبی کے قاضی القضاۃ شیخ احمد عبدالعزیز آل مبارک سے ملنے تشریف لے گئے آدھے گھنٹے تک ان سے ملاقات رہی اور مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ وہاں سے واپس آکر حضرت نے کانفرنس میں شرکت کے لئے تیاری شروع کی، اور سب کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے۔

کانفرنس کی تیسری سب کمیٹی اقتصادی مسائل پر غور کرنے کے لئے بنی ہے۔ اس میں حضرت مولانا تقریباً دو گھنٹے تک شریک رہے۔ حضرت مولانا نے اس اجلاس میں جو مقالہ پیش فرمایا تھا مصری علماء کی گفتگو میں بھی کم و بیش وہی دلائل تھے۔ مگر وہ ارتجالاً احادیث و فقہ سے ایسے نظائر پیش کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔

دوپہر میں اعضاء مکتبہ جامعۃ الریاض دیکھنے گئے ہم لوگوں نے کھانے سے فراغت پاکر کچھ دیر آرام کیا عصر کے وقت بیدار ہوئے۔ نماز پڑھی۔ چائے پی، کچھ لوگ کمرہ میں آگئے۔ کچھ ادھر ادھر چلے گئے۔ حضرت مولانا اسعد مدنی سید یوسف سید ہاشم الرفاعی سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے اور تقریباً آدھے گھنٹے تک وہاں ٹھہرے۔

عشار کی نماز کو جاتے ہوئے طیب صاحب سے ملاقات ہوئی پہلے وہ مصری سفارت خانہ میں تھے۔ اب یہاں آگئے ہیں۔ جدہ کے ہندستانی سفارت خانہ نے انھیں ہم لوگوں کی خیر خبر کے لئے مامور کیا تھا کہ کون کون آیا ہے، کہاں ٹھہرا ہے۔ بہت دیر تک مولانا ان سے گفتگو فرماتے رہے۔ اس کے بعد جلسۂ عام میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے وہاں کچھ مقالات اور شیخ ابن باز کی تقریر ہوئی۔

۲۶ اکتوبر: - صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد آٹھ بجے لجنات میں شرکت کی اور پونے ۱ بجے کے قریب تمام مندوبین ایک جگہ جمع ہو گئے اور پھر تمام مہمانان حکومت کاروں کے ایک قافلہ کی صورت میں قصر ملکی کی طرف روانہ ہوئے اور غالباً ۱ منٹ میں سب وہاں پہنچ گئے۔ سب کو ایک بہت بڑے اور شان دار ہال میں بٹھایا گیا جہاں سب کی قہوہ سے مدارات کی گئی۔

ساڑھے دس بجے کے قریب امیر فہد (جو ولی عہد سلطنت اور نائب رئیس الوزراء ہیں اور جنھیں جلالۃ الملک شاہ خالد اپنی جگہ قائم مقام بنا کر مصر گئے ہیں) تشریف لائے اور سب سے فرداً فرداً مصافحہ ہوا اور ولی عہد امیر فہد سے جب سب لوگ فرداً فرداً ملاقات کر چکے تو اس کے بعد دو مختصر تقریریں ہوئیں۔ ایک مصری مندوب نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ بنکوں سے سود کا کاروبار ختم کر دو یہ حرام ہے اور تم اللہ کے یہاں جوابدہ ہو۔ اس پر انھوں نے فرمایا دعا کرو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ ایک دوسرے مغربی نے دعائیہ تقریر کی اس پر انھوں نے بھی دعائیہ کلمات فرمائے۔

اس کے بعد پھر چائے اور قہوہ کے دور چلے۔ پہلے قہوہ آیا پھر چائے چلی، پھر قہوہ آیا۔ اس میں خود امیر فہد بھی شریک رہے یہ ختم ہوا تو امیر فہد نے تقریر فرمائی۔

امیر فہد کی مختصر تقریر اسلامی نظام، اسلامی محاسن، اس کی رفاہیت اور امن وغیرہ موضوعات سے متعلق تھی۔ اور فرمایا کہ اس طرح کی کانفرنس جب یہاں یا کسی اور جگہ ہوگی تو ہم حاضر ہیں انشاء اللہ پورا پورا تعاون دیں گے۔

مندوبین کی طرف سے جواب میں ابوظبی کے قاضی القضاۃ احمد بن عبد العزیز آل مبارک نے حمد و ثنا اور شکر کے بعد کہا کہ تم لوگوں کو چاہئے کہ ملوک و رؤسار مسلمین کو شریعت حقہ کے نفاذ پر توجہ دلاؤ، تمھاری آواز بھی سنی جاتی ہے۔ اور یہ تمھاری ذمہ داری بھی ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کے یہاں سرخرو ہوگے اور اس کا اجر بھی ملے گا۔

شام کو جلسہ عام ہوا۔ اس کا اہتمام ایک بہت بڑے ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ حاضرین بھی بہت بڑی تعداد میں تھے۔

۲۷ اکتوبر: حضرت مولانا اسعد مدنی کا مقالہ پہلے ہی شائع ہو چکا تھا۔ صبح کو جب لجنات کے جلسے ہوئے تو اس میں حضرت مولانا کے مضمون کا خلاصہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد اس پر بحث مباحثہ ہوا۔

شام کو امام محمد بن سعود یونیورسٹی کے مدیر مکتبات کی طرف سے عصرانہ تھا اس کے بعد برج ریاض میں مغرب کی نماز اور رات کا کھانا کھایا۔ یہ برج سولہ منزلہ ہے اور امریکہ کے بعد دنیا کا سب سے بڑا برج بتایا جاتا ہے۔ سقف مدور حصہ کی ہر طرف کم از کم پچاس پچاس فٹ ہوگی اور اس کے بعد کھلا ہوا ہر طرف کم از کم پچاس فٹ چوڑا حصہ ہے۔ مسقف حصہ ایر کنڈیشنڈ ہے وہیں مغرب کی نماز باجماعت ہوئی بعد ازاں وہیں ضیافت کا اہتمام ہوا۔ یہیں یہ اطلاع بھی ملی کہ تمام وفود کو عمرہ کے لئے لے جایا جا رہا ہے۔

۲۸ اکتوبر: - ناشتے کے بعد لجنات (کمیٹیوں) کی میٹنگیں شروع ہوئیں اور عہدیداران لجنہ تجویزوں کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ بعد عصر شیخ عبد الفتح ابوغدہ کے یہاں عصرانہ تھا۔ یہاں ایک ڈاکٹر صاحب نے فرمائش پر تفصیل کے ساتھ بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تین قرن ایسے گزرے ہیں کہ جس کی کوئی تاریخ نہیں ہے۔ پھر یہود کی سازش، کچھ لوگوں کا ایک اجتماع ہوا، اور کیتھولک مذہب شروع ہوا اور مختلف لوگ مختلف قسم کے نسخے لے کر پھیل گئے۔ لیکن جب قسطنطین اول کی ماں سے عیسائیت قبول کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے یہ عذر کیا کہ کس انجیل کو مانے اور اس پر عمل کرے اور اصل عیسائی مذہب کون سا ہے۔ مشورے کے بعد

ڈھائی ہزار لوگ جمع کئے گئے اور تقریباً سو نسخے انجیلوں کے جمع کئے گئے
جن میں سے چار تثلیث کے مؤتمر نسخے تھے۔ تقریباً ساٹھ حاضرین کے
اتفاق رائے سے چار نسخے مانے گئے باقی رد کر دیئے گئے۔ ایک بزرگ
شخص نے جس کا اثر شام اور ترکستان پر تھا وہ موحد تھا اور حضرت
عیسیٰ علیہ السلام کو بشر مانتا تھا اس نے اختلاف رائے کیا۔ آخر یہ اجتماع
ختم کر دیا گیا۔ اس کے بعد دوبارہ ان ساٹھ کا اجتماع ہوا جس میں اس
موحد کو خارج از نصرانیت اور واجب القتل قرار دیا گیا اور ان ہی
یہودیوں کی سازش سے کیتھولک سے پروٹسٹینٹ اور شاخ در شاخ ہوتے
چلے گئے۔ ظہور اسلام کے بعد اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف
ہو گئے اور تمام صلیبی جنگوں میں ان کا ہاتھ رہا ہے۔ یہی عیسائیوں کو
ابھارتے، یہی ان سے خفیہ معاہدے کرتے اور ان کو قرض دے کر ان
کے لشکروں کو مسلح کرتے اور لڑائیاں کراتے رہے۔

آج کا جلسۂ عام بہت پُرجوش تھا۔ اس میں مستشرقین کے بارے
میں مقالہ تھا کہ یہ کس کس طرح اسلام کو مسخ کرنے، شبہات پیدا کرنے، شکوک
ڈالنے عقائد میں تزلزل پیدا کرنے اور نوجوانوں میں بداخلاقی پھیلانے
اور مغربی تہذیب میں جذب کرنے کا کام پورے انہماک، لگن اور جوش و
جذبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ نیز ممالک اسلامیہ کو برباد کرنے کی لگن میں
لگے رہتے ہیں۔

دوسرا مقالہ صہیونیت پر تھا۔ تاریخی، فکری اور عملی طور پر اس
تحریک کے تحت کیا کچھ ہوا ہے اور کتنے خطرات اس تحریک میں مضمر ہیں
حاضرین میں سے کم و بیش ہر شخص اس پر بولنے کے لئے بے چین تھا، چنانچہ
لوگ وقت لے لے کر بولے۔ سب کے اندر بڑا جوش و خروش پایا جاتا تھا
لوگ جلسہ ختم نہیں کرنا چاہتے تھے۔

۲۹ راکتوبر:۔ آج جمعہ تھا۔ صبح ہی سے حضرت مولانا کو متعدد
ٹیلیفون آتے رہے۔ صبح صادق کے بعد ہی جب ہم حضرت مولانا اسعد مدنی
کے ہمراہ نیچے اترے تو دیکھا کہ ہال عمرہ کے لئے جانے والوں سے بھرا تھا۔
اسی وقت فجر کی نماز جماعت سے ہوئی۔ اس کے بعد وہ لوگ روانہ ہوئے۔
حضرت مولانا عمرہ کے لئے تشریف نہیں لے گئے۔ چونکہ آپ کو ابھی قیام
کرنا ہے اور فریضۂ حج بھی ادا کرنا ہے۔ حضرت مولانا ناشتہ سے فارغ
ہو کر نہا دھو کر ڈاکٹر عبدالحنان کے ساتھ شہر تشریف لے گئے۔ یہاں
یہ طریقہ ہے کہ زوال سے قبل اذان دے کر خطبہ شروع کر دیتے ہیں اور
زوال ہوتے ہی نماز جمعہ شروع ہو جاتی ہے۔ نماز کے بعد محمد نقشبندی
صاحب کے یہاں دوپہر کی دعوت میں تشریف لے گئے اور ہوٹل واپس آگئے۔

عصر کے بعد نیچے اترے تو مغرب کی نماز میں دو ندوی حضرات
سے ملاقات ہوئی۔ یہ حضرات کل تشریف لائے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن
ترکی سے بھی ملاقات ہوئی۔ ابھی ان کے ساتھ بیٹھے ہی تھے کہ شیخ محمود صواف
تشریف لے آئے۔ ہم نے گزشتہ شب کے مستشرقین سے متعلق مقالہ پر
مبارک باد دی۔ یہاں سے اٹھنے کے بعد قطر کے نمائندے سے ملاقات ہوئی
اور مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔

۳۰ راکتوبر:۔ آج موتمر کا اجلاس عام تھا۔ اس میں تجاویز
پر غور و بحث تھی۔ تجاویز اراکین کو تقسیم کی گئیں اور چند منٹ ان کے
مطالعہ کے لئے دیئے گئے۔ پھر ان کی اجمالی منظوری لے لی گئی۔ اس کے
بعد ایک ایک جز جز پر بحث و ترمیم اور ووٹنگ کا سلسلہ شروع ہوا
اور تقریباً ڈھائی گھنٹے تک چلا۔ آخر میں تجاویز کو ایک پانچ نفری کمیٹی
کے سپرد کیا گیا کہ وہ اس پر مزید غور و بحث کر کے اس کو آخری صورت دیدے۔

ظہر کے وقت جلسہ ختم ہوا۔ عصر کے وقت ہم لوگ ایک پرانی آبادی
کو دیکھنے گئے اور مغرب بعد امیر منطقہ ریاض امیر سلمان بن عبدالعزیز کی
طرف سے ضیافت کا اہتمام تھا۔ ریاض سے کوئی میل دور کھلے میدان
میں خیمہ لگا کر قالین وغیرہ کا پرانے طرز پر انتظام کیا گیا تھا۔ خود امیر نے
سب کا استقبال کیا۔ قہوہ اور چائے چلی۔ اسی اثنا میں اذان ہو گئی۔
سب نے جماعت سے نماز پڑھی، پھر برابر کے خیموں میں چلے گئے، جہاں
پہلے سے دسترخوان بچھے تھے اور عربی اور اسلامی طریقہ پر زمین پر بیٹھ کر
کھانا کھایا گیا۔ متعدد اقسام کے نہایت لذیذ کھانے تھے۔ کھانے کے
بعد قہوہ کا دور رہا اور پھر سب وہاں سے رخصت ہو کر ہوٹل واپس آئے۔

۳۱ راکتوبر:۔ عصر کے بعد الوداعی اجلاس ہوا، جس میں توصیات و
قرارات پڑھی گئیں۔ وزیر تعلیم سعودی عرب اور مدیر جامعہ امام محمد ابن سعود
الاسلامیہ نے تقریریں کیں۔ وفود کی طرف سے بھی تقریریں ہوئیں۔ ایک
قصیدہ ہوا اور شیخ احمد بن باز کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

بعد عشا جامعہ کے طلبا کی طرف سے جلسہ اور کھانے کی دعوت تھی
کھانے کے بعد یہ مجلس چار بجے ختم ہوئی □ (روزنامہ الجمعیۃ)
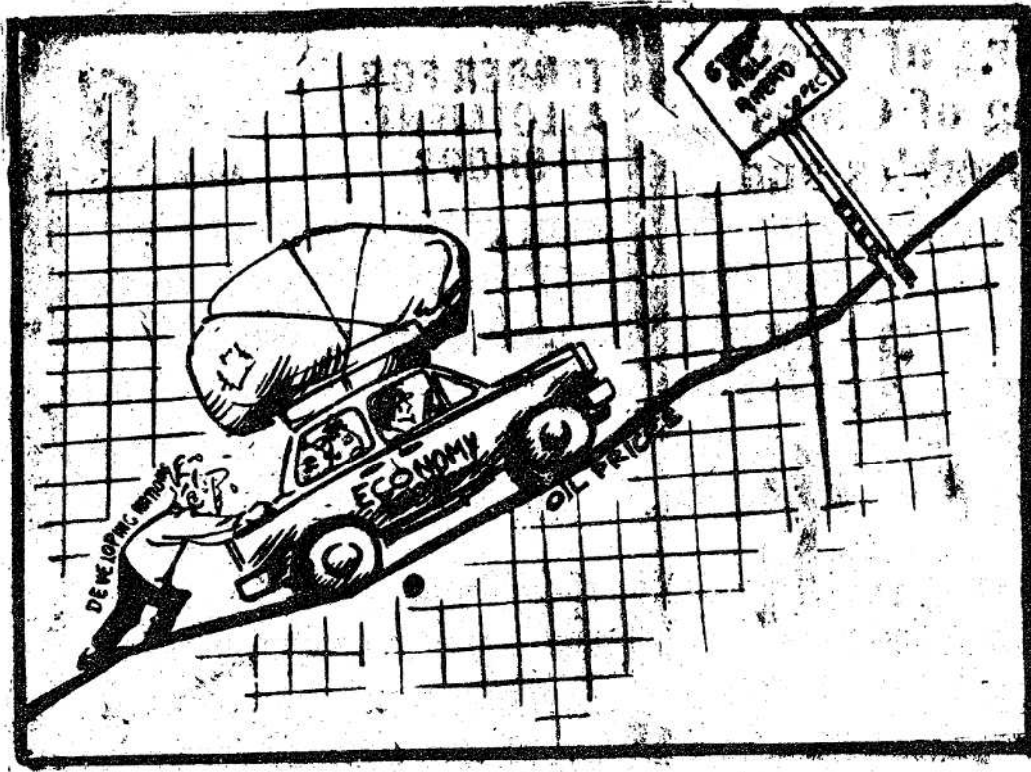
نرخ کی لائن پر زیر ترقی ممالک کی اقتصادی گاڑی کی مشکل چڑھائی

صنعتی تمدن کا حکمراں: تیل

"تیل کی قیمت میں اگر دس فی صد بھی اضافہ ہوا تو ہندستان کا درآمدی بل ۱۲۵ کروڑ روپے سالانہ تک بڑھ جائے گا" کے۔ ڈی۔ مالویہ (مرکزی وزیر پٹرولیم) نے کہا۔ ہندستان میں تیل کا موجودہ خرچ سالانہ ۲۲ ملین ٹن ہے۔ تیل کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے ان تمام ملکوں کی اقتصادیات کو شدید طور پر متاثر کیا ہے جو تیل کے معاملہ میں خود کفیل نہیں ہیں، جن کو ضرورت ہے کہ اپنی صنعتی اور تمدنی سرگرمیوں کو جاری رکھنے کے لئے باہر سے تیل خریدیں۔

اقوام متحدہ میں امریکی ترجمان نے کہا کہ تیل کی قیمتوں میں مزید اضافہ کے لئے اوپیک ممالک کے پاس کوئی جواز نہیں۔ اگر وہ موجودہ قیمتوں کو برقرار رکھیں جب بھی، اندازہ کے مطابق ۱۹۷۷ میں ان کے پاس تقریباً ۵۰ بلین ڈالر فاضل موجود ہوں گے □

عربوں کے پاس علاؤالدین کا چراغ ہے، وہ جب چاہتے ہیں اس چراغ کے ذریعہ افراط زر کے دیو کو بلالیتے ہیں!

کائنات کا عظیم اور حیرت انگیز کارخانہ گواہی دے رہا ہے کہ اس کا کوئی چلانے والا ہے

آدمی اگر کائنات کی وسعتوں پر غور کرے تو اس کو اپنا وجود اتنا حقیر نظر آئے گا کہ اپنی بڑائی کا کوئی بھی خیال اس کو مضحکہ خیز حد تک بے معنی معلوم ہوگا۔

نظام شمسی، اجرام سماوی کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس کے درمیان ایک روشن ستارہ ہو اور اس کے گرد غیر روشن سیارے مخصوص مدار میں گھوم رہے ہوں۔ معلوم نظام شمسی ابھی تک صرف ایک ہے جس میں ہماری زمین واقع ہے۔ تاہم فلکیات دانوں کا قیاس ہے کہ اس قسم کے مزید ایک ملین نظام شمسی کائنات میں ہو سکتے ہیں۔

نظام کہکشاں اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس میں روشن ستارے ایک مخصوص نظام کے اندر گردش کر رہے ہوں۔ ہماری قریبی کہکشاں جو رات کے وقت سفید دھاری کی شکل میں دکھائی دیتی ہے، اس کے اندر تقریباً ایک کھرب ستارے ہیں، ہمارا نظام شمسی اسی میں واقع ہے۔

سورج ہماری کہکشاں کی پلیٹ پر اپنے تمام سیاروں کو لئے ہوئے ۱۷۵ میل فی سکنڈ کی رفتار سے دوڑ رہا ہے۔ ہماری کہکشاں اتنی وسیع ہے کہ اس تیز رفتاری کے باوجود کہکشاں کے مرکز کے گرد ایک چکر پورا کرنے میں ہمارے نظام شمسی کو ۲۰ کرور سال لگ جاتے ہیں۔ اس قسم کی ایک بلین سے زیادہ کہکشائیں وسیع کائنات میں پائی جاتی ہیں اور ہر کہکشاں کے اندر

اس خاکہ میں درمیان میں سورج ہے۔ اس کے گرد نظام شمسی کے نو سیاروں کو بیضوی دائرہ میں گردش کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ سورج سے ان سیاروں کا فاصلہ بالترتیب یہ ہے:

سیارہ	فاصلہ
عطارد (مرکری)	۳۶ ملین میل
زہرہ (وینس)	۶۷ "
زمین	۹۳ "
مریخ (مارس)	۱۴۲ "
مشتری (جوپیٹر)	۴۸۴ "
زحل (سیٹرن)	۸۸۶ "
یورینس	۱۷۹۰ "
نیپچون	۲۸۰۰ "
پلوٹو	۳۶۸۰ "

کئی بلین انتہائی بڑے بڑے ستارے ہیں۔

کہکشاں کے اندر ستارے اتنے بعید فاصلوں پر واقع ہیں کہ ہمارے سورج سے قریب ترین ستارہ کی روشنی جو ۱۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے سفر کر رہی ہو، زمین تک اس کو پہنچنے میں چار سال سے بھی زیادہ وقت لگ جاتا ہے۔

اجرام سماوی کے اتنے بڑے نظام کو کیا چیز تھامے ہوئے ہے، فلکیات دانوں کا کہنا ہے کہ وہ اجرام سماوی کی باہمی کشش ہے۔ ہماری کہکشاں کی چوڑائی فلکیاتی پیمائش کے قاعدہ کے مطابق ایک بلین سال نور ہے یعنی ۰۰۰ر۰۰۰ر۰۰۰ر۶۰۰ر۶۹ر۵۸۶ر۵ میل۔

سورج اس کہکشاں کا نسبتاً چھوٹا ستارہ ہے جس کی حرارت چودہ ملین ڈگری سنٹی گریڈ ہے۔ سورج کے گرد نو سیارے ہیں۔ اس کے علاوہ بے شمار چھوٹے چھوٹے سیارچوں کا ایک حلقہ بھی اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ اکثر سیاروں کے ساتھ چاند بھی ہیں۔ ہماری زمین کا چاند ۱، مریخ ۲، جوپیٹر ۱۳، سیٹرن ۱۰، یورینس ۵، نیپچون ۲۔ اس کے علاوہ ایک لاکھ ملین دمدار ستارے بھی نظام شمسی کا حصہ ہیں، مریخ کا فاصلہ زمین سے ۴۹ ملین میل ہے۔

سورج کا قطر ۸۶۴۰۰۰ میل ہے۔ نظام شمسی کے مادہ (ماس) کا ۹۹ فی صد حصہ سورج پر مشتمل ہے سورج کا مادہ، زمین کے مادہ سے ۳۰۰۰۰۰ گنا زیادہ ہے۔

اندرونی سیارے (مرکری، وینس، مریخ، زمین) تقریباً ایک حجم کے ہیں۔ اس کے بعد چار بڑے سیارے جوپیٹر، سیٹرن، یورینس اور نیپچون ہیں۔ پلوٹو، جو سب سے آخر کا سیارہ ہے، اس کا حجم تقریباً زمین کے برابر ہے۔

کائناتی گردش کا نظام ناقابل قیاس حد تک حیرت انگیز ہے۔ چاند اپنے سیارے کے گرد گھوم رہا ہے۔ سیارہ سورج کے گرد، سورج اپنے پورے نظام کو لئے ہوئے کہکشاں کی پلیٹ پر گردش کر رہا ہے۔ پھر کہکشاں اپنی ساری وسعتوں اور بے شمار ستاروں کے ساتھ وسیع تر دائرہ میں گردش کر رہی ہے۔ یہ گردش اتنی عجیب ہے کہ بعض اوقات ایک پورا کہکشانی نظام گردش کرتے ہوئے دوسرے کہکشانی نظام کے اندر سے گزر جاتا ہے اور کوئی حادثہ پیش نہیں آتا

محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان

ایک خاندانی جھگڑا جو پوری تاریخ پر چھا گیا

جنگ قادسیہ (۱۴ ھ) میں جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے سامنے کھڑی تھیں۔ ایرانی لشکر سے ان کا ایک مشہور پہلوان گھوڑے پر سوار ہو کر نکلا۔ اسلامی لشکر سے عاصم بن عمرو اس کے مقابلہ کے لئے باہر آئے۔ ابھی ایک دو وار ہی ہوئے تھے کہ ایرانی شہ سوار بھاگا۔ عاصم بن عمرو نے اس کا پیچھا کیا۔ وہ اپنے لشکر کی صف اول کے قریب تک جا چکا تھا کہ عاصم بن عمرو پہنچ گئے۔ انھوں نے اس کے گھوڑے کی دم کو پکڑ کر اس کو روک لیا۔ سوار کو اس کے اوپر سے اٹھایا اور زبردستی اپنے گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا اور اس کے بعد گھوڑا دوڑاتے ہوئے اپنے لشکر میں آ گئے۔

اس قسم کے بہادر لوگ صفین و جمل (۳۶ ھ) کی باہمی لڑائیوں میں ۹۰ ہزار کی تعداد میں کٹ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر خلافت راشدہ کے آخر میں آپس کی لڑائیاں شروع نہ ہو گئی ہوتیں تو طاقت و قوت کا بے پناہ سیلاب جو عرب سے اٹھا تھا، ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تمام علاقوں کو توحید کا علاقہ بنا دیتا۔ صرف آسٹریلیا اور امریکہ ہی ممکن طور پر اس سے مستثنیٰ رہ جاتے جو وسیع سمندروں کے دوسری طرف قدیم زمانہ میں ناقابل عبور تھے۔

وہ کیا چیز تھی جس نے اس سیلاب کے رخ کو باہر کے بجائے خود اپنی طرف موڑ دیا۔ یہ کہنا بڑی حد تک صحیح ہوگا کہ یہ ایک خاندانی جھگڑا تھا جس نے بڑھ کر قومی جھگڑے کی شکل اختیار کر لی اور بالآخر ساری اسلامی تاریخ پر چھا گیا۔

۲۰۷ء میں سیل عرم سے یمن میں عام تباہی آئی۔ یہاں کے باشندوں نے اپنے وطن کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کا رخ کیا۔ ان میں سے قبیلہ خزاعہ مکہ آیا اور حضرت اسمٰعیل (۱۹۳۷-۲۰۷۴ ق م) کی اولاد کو بے دخل کر کے مکہ پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد مقامی باشندے ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ تقریباً ڈھائی سو سال تک قبیلہ خزاعہ مکہ پر قابض رہا۔ قصی بن کلاب پہلا شخص ہے جس نے قریش کی بکھری ہوئی طاقت کو دوبارہ منظم کیا اور ۴۴۰ء میں لڑ بھڑ کر خزاعہ سے مکہ کی سرداری چھین لی۔

قصی نے خانہ کعبہ کی مرمت کی۔ رفادہ، سقایہ، حجابہ اور قیادہ کے عہدے قائم کئے۔ قومی نشان کے طور پر لوا بنایا۔ قومی اسمبلی قائم کی جس کو دار الندوہ کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد قدرتی طور پر قصی کو تمام قبائل قریش کی سرداری حاصل ہو گئی۔

قصی کے بعد قریش کی سرداری ان کی اولاد میں جاری رہی۔ تاہم تیسری نسل میں قصی کے خاندان میں سرداری پر جھگڑا شروع ہو گیا۔ قصی کا پوتا ہاشم نہایت لائق اور شان دار شخصیت کا آدمی تھا۔ اس نے تجارت کر کے نہ صرف اپنے مال میں اضافہ کیا بلکہ قریش کو بھی بین اقوامی تاجر کے مقام پر پہنچا دیا۔ اس نے اپنے بھائیوں کی مدد سے شاہ غسان، شاہ حبش، امرا یمن اور عراق و فارس کی حکومتوں سے تجارتی معاہدے کئے اور خصوصی مراعات حاصل کیں۔ وہ قیصر روم سے یہ پروانہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ قریش کا تجارتی مال شام و فلسطین میں بغیر کسی ٹیکس کے

داخل ہوتا رہے گا۔ اب قریش کے تجارتی قافلے گرمی کے زمانہ میں شام کی طرف جانے لگے، کیونکہ وہ ٹھنڈا اور شاداب علاقہ تھا اور جاڑے میں یمن کی طرف سفر کرنے لگے جوکہ گرم علاقہ ہے۔ (قریش - ۲) ہاشم کے حسن تدبر سے قریش کی اقتصادیات نے بہت تیزی سے ترقی کی اور نتیجۃً سارے قبیلہ میں ان کی عظمت قائم ہوگئی۔

ہاشم کی اس عزت وترقی نے خاندان کی دوسری شاخ کے اندر ان کے خلاف منافست پیدا کردی۔ ہاشم کے بھائی عبدشمس اور ان سے زیادہ ان کے بیٹے امیہ کو ہاشم کی سرداری ناپسند تھی۔ امیہ نے اس کو اپنے چچا سے چھیننے کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے حتیٰ کہ اسی رنج وغم میں وہ ایک بار مکہ چھوڑ کر شام چلے گئے اور دس سال تک وہاں پڑے رہے۔

ہاشم کے بعد دوبارہ ان کے بیٹے عبدالمطلب اپنی وجاہت وصلاحیت کی بنا پر قریش کے سردار ہوگئے اور امیہ کی اولاد اس سے محروم رہی، اس طرح سرداری قصی کی ہاشمی شاخ میں چلتی رہی اور اس کی اموی شاخ کو حاصل نہ ہوسکی۔

۸ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار اصحاب کے ساتھ فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے ایک موقع پر اپنے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوسفیان کو لے کر راستہ میں کسی گھاٹی پر بیٹھ جائیں تاکہ ابوسفیان، جو بدر کے بعد قریش کے سب سے بڑے لیڈر تھے، اسلامی فوج کو گزرتے ہوئے دیکھیں۔ حضرت عباس نے ایسا ہی کیا۔ جب وہ ابوسفیان کو لے کر ایک تنگ پہاڑی راستہ کی طرف گئے اور وہاں بیٹھنے کے لئے کہا تو ابوسفیان کو اندیشہ ہوا۔ ان کی زبان سے بے ساختہ نکلا:

غدراً یا بنی ھاشم　　　بنی ہاشم! کیا غداری کا ارادہ ہے۔

اس کے بعد جب دس ہزار کی تعداد میں مسلح فوج سامنے سے گزری، تو ابوسفیان پر ہیبت طاری ہوگئی۔ انھوں نے کہا:

لقد اصبح ملک ابن اخیک الغداۃ عظیما　　　تمہارے بھتیجے کی حکومت آج بہت عظیم ہوگئی۔

خاندان عبدمناف کی ان دو شاخوں میں یہ چپقلش اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ زمانۂ جاہلیت میں یمن کا ایک شخص کچھ سودا لے کر مکہ آیا، ایک شخص نے اس کا سودا خریدنے کے لئے لیا اور پھر اس کو نہ قیمت دی اور نہ سودا واپس کیا وہ ایک ٹیلہ پر چڑھ کر چیخنے لگا۔ یہ واقعہ عرب آن کے انتہائی خلاف تھا، چنانچہ بنوہاشم کے کچھ لوگ اس کی مدد کے لئے اٹھے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ مکہ میں اگر کسی مسافر اور اجنبی کو ستایا گیا تو وہ اس کی پوری حمایت کریں گے۔ بنوہاشم کے ساتھ اس معاہدہ میں بنواسد، بنوزہرہ، بنوتیم بھی شریک ہوگئے۔ مگر عبدشمس کا خاندان بنوہاشم کے خلاف اپنی جلن کی وجہ سے معاہدہ میں شریک نہیں ہوا۔

اس طرح کے واقعات جو تاریخ کی کتابوں میں ملتے ہیں، وہ بنوامیہ اور بنوہاشم کے درمیان اسی خاندانی کشمکش کے مظاہر ہیں۔

قصی بن کلاب کے خاندان کی دو شاخوں میں سرداری کی منافست جاری رہی، اکثر چھوٹے چھوٹے جھگڑے بھی ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ہاشم کے خاندان میں پیغمبر پیدا ہوگئے۔ اب اموی خاندان کی جلن اپنے شباب پر پہنچ گئی۔

پہلے انھوں نے نبوت کی مخالفت کر کے بنی ہاشم کو زیر کرنا چاہا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام مخالفین کو شکست دے کر مکہ پر قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ظاہر ہو گیا کہ نبوت کی مخالفت کرنا فضول ہے۔ ابوسفیان، ان کے لڑکے معاویہ اور دوسرے امویوں نے اسلام قبول کر لیا۔ تاہم یہ احساس لوگوں کے اندر باقی رہا کہ نبوت کے بعد سیاسی اقتدار بنی ہاشم کے ہاتھ میں نہ جانے دیں گے۔

حضرت عمرؓ اپنے بعد علیؓ بن ابی طالب کو خلافت کے لئے موزوں ترین شخص سمجھتے تھے۔ مگر اسی اندیشہ کی بنا پر وہ آنجناب کو نامزد نہ کر سکے۔ حضرت عثمان جو خاندان امیہ کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے، ان کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا گیا تو بنو امیہ کے لئے یہ بالکل ناقابل برداشت تھا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد قصاص کے مسئلہ نے ان کو فوری طور پر ایک کامیاب سیاسی حربہ دے دیا۔ اس جذباتی نعرہ پر انھوں نے مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد کو اپنے گرد اکھٹا کر لیا۔ اگرچہ وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ خلیفہ چہارم کو منصب خلافت سے ہٹا دیں۔ تاہم معاویہ بن ابی سفیان بن حرب بن امیہ نے اپنی گورنری سے فائدہ اٹھا کر مملکت اسلامی کے نصف سے زیادہ حصہ کو سیاسی طور پر کاٹ لیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے نام پر عوام میں ایسی آگ بھڑکائی کہ کچھ لوگوں نے مجنونانہ طور پر حضرت علی کو قتل کر دیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین جس میں ۹۰ ہزار مسلمان کٹ گئے اور دس سال کے لئے اسلام کی توسیع کا سیلاب رک گیا، وہ دراصل امویوں اور ہاشمیوں کی اسی خاندانی لڑائی کا شاخسانہ تھا جس نے پوری ملت مسلمہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

حسن بن علی اس راز کو اچھی طرح سمجھتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو گئے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی حسین بن علی کو بھی مشورہ دیا کہ خلافت کے معاملہ سے بالکل الگ ہو جائیں کیونکہ لوگ اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ نبوت اور خلافت دونوں کو علوی خاندان میں جمع ہوتا برداشت کریں۔ مگر حضرت حسین کی رائے یہ تھی کہ حق کے لئے جان دے دینا باطل کے آگے سر جھکانے سے زیادہ بہتر ہے۔ انھوں نے خلافت کی راہ میں اپنی جان دے دی۔ یہ واقعہ ۶۱ھ کا ہے۔

اس کے بعد اموی حکومت قائم ہو گئی۔ مگر بنو امیہ کو بنو ہاشم کے خلاف جو بغض و عناد تھا، وہ ان کے انتظام ملکی میں ظاہر ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ ان کا ذہن یہ بن گیا کہ ہاشم کی اولاد کا خاتمہ کر دو تاکہ مستقبل میں کوئی خلافت کا دعوے دار باقی نہ رہے۔ ان وجوہ سے وہ فضا پیدا نہ ہو سکی جس میں بنو ہاشم اپنی سیاسی حق تلفی کو بھول جاتے۔ اندر اندر ان کے دل میں مخالفت کی آگ سلگتی رہی۔ یہاں تک کہ ۱۳۲ھ کے خاتمہ نے یہ دوسرا انقلاب دیکھا کہ بنو عباس نے ایرانیوں کی مدد سے بنو امیہ کا خاتمہ کر دیا۔

بنو امیہ کا فتنہ انتہائی شدید تھا، مگر وہ تمام تر سیاسی تھا۔ اس لئے سیاست کے ساتھ اس کا خاتمہ ہو گیا۔ مگر بنو ہاشم سے یہ جوابی غلطی ہوئی کہ خلافت کو اپنا حق ثابت کرنے کے لئے انھوں نے خلافت کو عقیدہ کا مسئلہ بنا دیا۔ اس غلطی نے ایک سیاسی قضیہ کو مذہبی حیثیت دے دی اور اس امکان کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ دوسرے سیاسی

جھگڑوں کی طرح یہ جھگڑا صرف وقتی نقصان پہنچائے اور بعد کی نسلوں کے لئے محض تاریخ کا موضوع بن کر رہ جائے۔

سیاست کو مذہب بنانے کی اس غلطی نے اسلام کو جو نقصانات پہنچائے ان کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ مثال کے طور پر وضع حدیث کا فتنہ سب سے پہلے اسی محرک کے تحت شروع ہوا۔ بے شمار حدیثیں دونوں طرف سے گھڑی گئیں ایک طرف بنو ہاشم نے حضرت علی کی فضیلت میں یہ حدیث نکالی:

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا — میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں

دوسری طرف فریق ثانی نے ایک روایت گھڑی اور کہا کہ پوری حدیث دراصل اس طرح ہے:

انا مدینۃ العلم وابوبکر اساسہا وعمر حیطانہا وعثمان سقفہا وعلی بابہا

میں علم کا شہر ہوں، ابوبکر اس کی بنیاد ہیں، عمر اس کی دیوار ہیں، عثمان اس کی چھت ہیں، علی اس کا دروازہ ہیں

اس قسم کی چیزوں سے اسلام کو جو علمی نقصان پہنچا، اس کی تلافی اب ممکن نہیں۔ تاہم یہ اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاص سے قرآن کو محفوظ کر دیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان جھگڑوں اور ان کے پیدا کردہ فتنوں میں دین حق گم ہو جاتا اور اللہ کے بندے قیامت تک کے لئے بے آمیز سچائی کو جاننے سے محروم ہو جاتے ◻

حدیث

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا روزنامچہ اور اس ۲۳ سالہ زندگی کا بولتا ہوا مرقع کہہ سکتے ہیں جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس کرۂ ارض پر گزاری۔ یہ محتاط ریکارڈ ہمیں بتاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح زندگی گزارتے تھے اور آپ کے شب و روز کے معمولات کیا تھے۔ اسی طرح ہم اس سے اخلاق نبوی کی باریکیاں عادات و رجحانات، جذبات و خیالات، قول و عمل کی وہ تفصیلات جان سکتے ہیں جو ہم عہد ماضی بلکہ حال کی بھی بہت سی معاصر شخصیتوں کے متعلق نہیں جان سکتے۔ اس کے ذریعہ کوئی بھی انسان اپنے نبی کو اس طرح جان پہچان سکتا، آپ کی صحبت سے مستفید اور آپ کے انفاس قدسیہ سے فیض یاب ہو سکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ کے ساتھ رہ رہا ہے۔ یہ طریقہ حفاظت و تعارف ان تمام خطرات و مفاسد سے پاک ہے جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں پائے جاتے ہیں اور جن کی وہ پچھلی امتیں بری طرح شکار ہوئیں۔ جنھوں نے اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کی یاد قائم رکھنے کے لئے تصویر کشی اور مجسمہ تراشی کا سہارا لیا اور بالآخر کھلی بت پرستی میں ملوث ہو گئیں۔ (منصب رسالت، ۲۱۱)

زیادہ دودھ حاصل کیجئے

ایک گائے کے کئی بچے ہوں تو سب میں دودھ یکساں نہیں ہوگا۔ کسی میں کم ہوگا، کسی میں زیادہ۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے۔ اگر آپ ایک گائے کے بچوں میں سے زیادہ دودھ والے بچے کا انتخاب کریں۔ اور پھر اس کے بعد اس کے بھی مختلف بچوں میں سے جس کا دودھ زیادہ ہو، اس کو لیں تو کئی نسلوں کے بعد شاید آپ ایک ایسی گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو ابتدائی ماں کے مقابلہ پر دگنا دودھ دیتی ہو۔ تاہم اس عمل میں آپ کو ایک سو برس لگ جائیں گے۔ مگر پنجاب ایگریکلچرل یونیورسٹی میں جو تجربے کئے گئے ہیں، ان سے معلوم ہوا ہے کہ یہی مقصد دو نسلی گائے (CROSS-BRED) کے ذریعے صرف چھ مہینے میں حاصل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن گائے سے زیادہ دودھ لینے کے لئے صرف اتنا ہی کافی نہیں، اسی کے ساتھ خوراک کا مسئلہ بھی نہایت اہم ہے۔ خوراک کا مطلب یہ نہیں کہ گھاس بھوسہ کھلا کر کسی نہ کسی طرح آپ جانور کا پیٹ بھر دیں۔ اس کے لئے متوازن خوراک انتہائی ضروری ہے۔ یعنی ہری گھاس، بھوسہ، دانہ اور اسی کے ساتھ ضروری معدنیات۔ مثلاً گائے کی خوراک میں اگر آپ زنک شامل نہ کریں تو اس کے دودھ میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کیلشیم اور فاسفورس وغیرہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ ایک ہیکٹر زمین سے ۱۰ دودھیلے مویشیوں کے لئے سال بھر تک متوازن چارہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

خدا نے اپنی اس دنیا میں انسان کے لئے بے حساب امکانات رکھ دیئے ہیں۔ مگر انسان اپنی بے دانشی یا محنت کی کمی کی وجہ سے ملے ہوئے امکانات کا پورا فائدہ نہیں اٹھا پاتا

مسٹر بی۔ ایم۔ برلا نے ایک بار اپنی تقریر میں کہا تھا کہ اگر پیداوار بڑھانے کی کوشش کی جائے تو موجودہ صدی کے خاتمہ تک ہندستان دنیا کے سب سے زیادہ مضبوط اور خوش حال ملکوں کی فہرست میں شامل ہو سکتا ہے اور اس کی فی کس آمدنی جو اس وقت صرف ایک سو ڈالر سالانہ ہے، بڑھ کر تین سو ڈالر سالانہ تک پہنچ سکتی ہے۔ انھوں نے مثال دیتے ہوئے کہا کہ جاپان کے پاس اگرچہ لوہا اور کوئلہ نہیں۔ مگر ۱۹۴۷ میں اس کی لوہے کی پیداوار نصف ملین ٹن تھی اور ۱۹۷۶ میں ۱۲۰ ملین ٹن پہنچ چکی ہے جب کہ ہندستان کے پاس ہر قسم کے خام ذخائر ہیں۔ پھر بھی یہ حال ہے کہ ۱۹۴۷ میں اس کی لوہے کی پیداوار ۲۵ر۱ ملین ٹن تھی اور آج ۵ ملین ٹن ہے۔ (ہندستان ٹائمس، ۵ رمئی ۱۹۷۶)

حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ وسائل کا نہیں بلکہ وسائل کو استعمال کرنے کا ہے۔ کسی شخص یا قوم میں کرنے کا جذبہ پوری طرح ابھر آئے تو صفر سے شروع کر کے بڑی بڑی کامیابیوں تک پہنچنا ممکن ہو سکتا ہے، اور اگر کرنے کا جذبہ نہ ہو تو وسائل کی افراط کے درمیان بھی کسی کامیابی کی امید نہیں کی جا سکتی۔ ہر آدمی اپنی کامیابی کا راز خود اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے، اگرچہ اپنی بے خبری سے وہ اس کو اپنے باہر ڈھونڈ رہا ہے ◻

زرعی دور کے
زمین دار
صنعتی دور میں
بے زمین ہوکر
رہ گئے

دل کے مریضوں کے لئے ہندوستان کا دوسرا سب سے بڑا مستقل میڈیکل یونٹ کان پور میں بنا ہے۔ ۲۷ نومبر ۱۹۷۶ کو اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ شری نرائن دت تیواری نے اس کا افتتاح کیا۔ سنگھانیا انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی کی اس تین منزلہ عمارت پر ۲۱ لاکھ روپے خرچ ہوئے ہیں۔ یہ رقم اس کو جے۔ کے ٹرسٹ نے فراہم کی تھی یہ ٹرسٹ شری لکشمی پت سنگھانیا (1910-1974) نے قائم کیا تھا جو ہندوستان کے بڑے صنعت کاروں میں شمار ہوتے ہیں۔

یہ اس قسم کے دوسرے بے شمار واقعات میں سے نسبتاً ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ اس تازہ مثال کو ہم نے یہ واضح کرنے کے لئے دہرایا ہے کہ موجودہ زمانہ میں کیا تبدیلی ہوئی ہے۔ پچاس برس پہلے ملک کی اقتصادی بنیاد زراعت پر قائم تھی۔ مسلمانوں کے پاس بہت بڑی بڑی زمینیں بلکہ ریاستیں تھیں۔ قدیم اقتصادی نظام میں مسلمان ایک مستحکم حیثیت کے مالک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص

کسی ملی ادارہ کے قیام کے لئے اٹھتا تو فوراً اس کو ہر قسم کے ذرائع و وسائل فراہم ہو جاتے تھے۔ ہمارے تمام بڑے بڑے ادارے اسی قدیم دور میں قائم ہوئے اور زمینداروں، تعلقہ داروں اور نوابوں کے طبقہ ہی نے ان کو زمین اور سرمایہ فراہم کیا تھا۔

آزادی کے بعد ایک نیا انقلاب آیا۔ ملک زرعی دور سے نکل کر صنعتی دور میں داخل ہو گیا۔ مسلمان مختلف وجوہ سے، اس دور میں اپنی جگہ نہ بنا سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج کوئی مسلمان مصلح اگر کسی ملی منصوبہ کو لے کر اٹھتا ہے تو اس کا منصوبہ "مفلس کے چراغ" کی طرح ٹمٹماتا رہتا ہے یہاں تک کہ دھیرے دھیرے بجھ جاتا ہے۔ دوسری طرف جن قوموں نے صنعتی نظام میں اپنی جگہ بنائی ہے ان کے اجتماعی منصوبوں کو غذا دینے والے فوراً ان کے قریب ہی مل جاتے ہیں۔ ان کا منصوبہ نہ تو فیل ہوتا اور نہ ان کو بھیک مانگنے کے لئے باہر جانا پڑتا۔

یہی تبدیلی قدیم دور میں اس وقت ہوئی تھی جب انسان شکار خوری کے دور سے نکل کر زراعتی دور میں داخل ہوا۔ اس وقت جن قوموں نے زمانہ کی تبدیلی کو سمجھا اور زراعت کے طریقے اپنائے، وہ دوسروں سے آگے بڑھ گئیں۔ جن قوموں نے اس فرق کو نہیں سمجھا اور شکار خوری کے طریقے پر قائم رہیں، وہ زندگی کے میدان میں پیچھے دھکیل دی گئیں۔

جنگلی قبائل، جو اب بھی دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں وہ اسی گزرے ہوئے دور کی یادگار ہیں۔ یہ شکار اور مویشیوں پر گزر کرتے ہیں۔ تمدنی زندگی میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ حتیٰ کہ اپنی تعلیمی کمی کی وجہ سے، وہ اپنے اس پچھڑے پن کا شعور بھی نہیں رکھتے ◻

یہ اتفاقی غلطی کا نتیجہ نہ تھا

بھگوتی ایس۔ گڈوانی ہندستان کے شہری پرواز کے محکمہ کے ڈائرکٹر جنرل ہیں۔ انھوں نے اپنی ایک تازہ کتاب میں میسور کے سلطان ٹیپو (۱۷۵۱-۱۷۹۹) کے حالات ناول کے پیرایہ میں بیان کئے ہیں۔ اس تاریخی ناول کا نام ہے "ٹیپو سلطان کی شمشیر"۔ یہ کتاب انھوں نے ہند، برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، ترکی اور ایران کے کتب خانوں اور عجائب گھروں میں اٹھارہ سال تک تحقیق کرنے کے بعد تیار کی ہے۔

مسٹر گڈوانی نے ٹیپو سلطان کو "درجہ اول کا قوم پرست" قرار دیا ہے۔ ان کا فیصلہ ہے کہ "ٹیپو اٹھارویں صدی کا واحد ہندستانی حکمراں ہے جس نے کسی بھی وقت اپنے ہم وطنوں کے خلاف جنگ میں انگریزوں کا ساتھ نہیں دیا"۔

مسٹر گڈوانی نے لکھا ہے کہ "۱۷۹۲ کے سرنگاپٹم کے محاصرہ میں ٹیپو نے انگریزوں کے ساتھ صلح کی جو بات چیت شروع کی وہ محض اپنے جنرل میر صادق کی پیدا کردہ غلط فہمی کی بنیاد پر تھی۔ حالانکہ اس وقت برطانوی جنرل کارنوالس اپنی فوجوں کے زبردست جانی نقصان کی وجہ سے پسپائی کی تیاریوں میں مشغول تھا"۔

سلطان ٹیپو کا یہ اقدام وقتی طور پر اس کے جاسوسی نظام کی کمی کا سبب ہو سکتا ہے۔ تاہم ٹیپو کی شکست یا اٹھارویں صدی کے آخر میں مشرقی اقوام کی مغربی اقوام کے مقابلہ میں پسپائی اس قسم کی کسی جزوی یا اتفاقی غلطی کا نتیجہ نہ تھی۔ یہ دراصل جدید قوتوں میں مغرب کی سبقت اور مشرق کی پس ماندگی تھی جس نے ایک کو غالب اور دوسرے کو مغلوب کر دیا

دعوت الی اللہ

انسان کو خدا نے آزاد پیدا کیا ہے۔ مگر یہ آزادی لامحدود نہیں ہے۔ فرد کی آزادی موت کے وقت ختم ہو جاتی ہے اور بحیثیت مجموعی پوری نسل انسانی کی آزادی قیامت کے روز ختم ہو جائے گی۔ دنیا کی اس زندگی کے خاتمہ کے بعد آخرت کی زندگی شروع ہوتی ہے۔ وہاں انسان کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ ایک وہ جنھوں نے اپنی دنیوی زندگی کی آزادی کو خدا کی مرضی کے تابع رکھا ہوگا۔ ایسے لوگ جنتوں میں داخل کئے جائیں گے۔ دوسرے وہ لوگ جنھوں نے آزادی کے اس لمحہ کو خدا سے بے خوف ہو کر گزارا ہو گا۔ ایسے لوگ جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ یہ تقسیم دائمی ہو گی۔ جہنم والے ہمیشہ کے لئے آگ میں جلتے رہیں گے۔ جنت والے ہمیشہ کے لئے آرام اور خوشی کے باغوں میں رہیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تقریباً سو برس کی زندگی ایک دائمی انجام پر ختم ہونے والی ہے۔ اور انجام بھی ایسا کہ یا تو شدید ترین عذاب ہے یا اعلیٰ ترین انعام ——— یہ صورت حال زندگی کے مسئلہ کو انتہائی سنگین بنا دیتی ہے۔ اس غیر معمولی سنگینی کے باوجود دنیا میں یہ تمام حقیقتیں آدمی کی نگاہ سے اوجھل رہتی ہیں۔ خدا، فرشتے، جنت، دوزخ، کسی بھی چیز کو وہ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ اس لئے یہ ممکن تھا کہ قیامت میں جب تمام باتیں کھلیں تو آدمی یہ کہہ دے کہ خدایا، ہم کو معلوم ہی نہ تھا کہ زندگی کا یالآخر یہ انجام ہونے والا ہے۔ ایسا ہی تھا تو آپ نے ہم کو بتانے کا انتظام کیوں نہ کیا۔

مسئلہ کی اسی نزاکت کی وجہ سے خدا نے یہ اہتمام کیا کہ جب انسان کو پیدا کیا تو اس کے ساتھ پیغمبر بھی بھیجنے شروع کئے۔ ہر بستی اور ہر نسل میں خدا نے اپنے پیغمبر اٹھائے۔ ان کے اوپر وحی بھیجی اور کتاب اتاری۔ تاکہ وہ لوگوں کو کھول کھول کر زندگی کی حقیقت سے آگاہ کر دیں۔ یہ سلسلہ آدم سے لے کر مسیح تک چلتا رہا۔ یہاں تک کہ خدا نے فیصلہ کیا کہ آخری رسول بھیجے اور اس کے اوپر آخری آسمانی کتاب اتار کر اس کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دے۔ اس طرح ساتویں صدی سے انسانی تاریخ میں نیا دور شروع ہوا جب کہ خدا کی کتاب (قرآن) تو محفوظ حالت میں موجود ہے۔ مگر اس کو لوگوں کے سامنے بیان کرنے کے لئے پیغمبر نہیں آرہے ہیں۔

پھر ختم نبوت کے بعد جو انسان پیدا ہو رہے ہیں اور پیدا ہو کر مر رہے ہیں، ان کو با خبر کرنے کا کیا انتظام خدا نے کیا ہے۔ اس کا جواب امت محمدیہ ہے۔ اللہ کے آخری رسول نے اپنی امت پر دین کی گواہی دی۔ اس کے بعد امت محمدیہ کو ہمیشہ کے لئے ذمہ دار بنا دیا گیا کہ وہ قیامت تک پیدا ہونے والے لوگوں کے سامنے اس کی گواہی دیتی رہے، تاکہ قیامت کے روز جب قوموں کا مقدمہ پیش ہو تو وہ وہاں کھڑی ہو کر یہ کہہ سکے کہ ہم نے ان لوگوں تک حق کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ اس کے باوجود جن لوگوں نے اس کو اختیار نہیں کیا، وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔

یہی وہ کام ہے جس کو قرآن میں دعوت الی اللہ کہا گیا ہے۔ امت محمدیہ کی لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کام کے لئے اٹھے۔ وہ کسی بھی حال میں اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکتی۔ حتیٰ کہ ذاتی عبادت بھی، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ مقدار میں ہو اس کو خدا کی پکڑ سے بچانے والی نہیں بنے گی۔ اگر وہ اس کام کو انجام نہ دے اور دنیا کی قوموں کو آنے والے دن سے نہ ڈرائے تو وہ بھی آخرت میں دوسری قوموں کے ساتھ پکڑی جائے گی۔ دوسری قوموں کا جرم اگر یہ ہو گا کہ انھوں نے قرآنی زندگی اختیار نہیں کی تو وہ اس بات کی مجرم قرار پائے گی کہ اس نے خدا کے بندوں کو خدا کی مرضی سے آگاہ نہیں کیا۔ اور دوسرا جرم، کسی بھی حال میں، پہلے جرم سے کم نہیں ہے۔

یہود جس جرم میں معتوب و مغضوب ہوئے، وہ یہی تھا کہ ان کے پاس خدا کی جو الہامی امانت تھی، اس کو انھوں نے چھپایا اور لوگوں کو اس سے خبردار نہیں کیا۔ تورات کے حاملین نے جو غلطی کی، وہی غلطی اگر قرآن کے حاملین کریں تو ان کے ساتھ کوئی دوسرا معاملہ نہیں ہوگا۔ خدا کا قانون ان کو بھی اسی طرح اپنی لپیٹ میں لے لے گا جس طرح وہ پچھلی قوموں کو لے چکا ہے۔ خدا کی کسی قوم کے ساتھ، خصوصی رشتہ داری نہیں ہے۔ اس سے بڑی کوئی بھول نہیں ہو سکتی کہ کوئی گروہ اپنے کو خدا کا خصوصی رشتہ دار سمجھ لے۔

مسلمانوں کو آج اہلِ عالم کے سامنے وہی فریضۂ دعوت انجام دینا ہے جو رسول نے اپنے زمانہ میں لوگوں کے اوپر انجام دیا تھا۔ یعنی قرآن کے پیغام کو لوگوں تک پہنچانا۔ جس طرح زکوٰۃ کی ادائگی کے بغیر سارا مال ایک مسلمان کے لئے حرام رہتا ہے، اسی طرح اس فریضہ کو انجام دینے سے پہلے ہمارے لئے جائز نہیں ہے کہ ہماری زندگی میں کسی اور چیز کا حصہ ہو۔ ہمارے لئے کوئی خوشی اس وقت تک خوشی نہیں ہے اور کوئی عافیت اس وقت تک عافیت نہیں ہے جب تک ہم پیغام رسانی کے اس کام کو انجام نہ دے لیں یا کم از کم اس میں اپنے آپ کو لگائے ہوئے ہوں:

- ہمیں قرآن کا ترجمہ بہترین اہتمام کے ساتھ، دنیا کی تمام زبانوں میں فراہم کرنا ہے۔
- رسول اور اصحاب رسول کی زندگیوں پر جدید اسلوب میں کتابیں تیار کر کے تمام دنیا کے لوگوں تک پہنچانا ہے۔
- پیغمبر کے اقوال (حدیث) کے ترجمے دنیا کی تمام زبانوں میں تیار کرنا ہے۔
- اسلام کی تاریخ (نہ کہ فتوحات کی تاریخ) کو مرتب کر کے شائع کرنا ہے۔
- جدید زبان اور عصری اسلوب میں اسلام کو مدلل کرنا ہے۔
- وہ تمام عملی تدبیریں اختیار کرنا اور معاون ادارے قائم کرنا ہے جو کسی دعوت کو مؤثر انداز میں لوگوں تک پہنچانے کے لئے ضروری ہیں۔

پھر یہ کام سادہ معنوں میں محض تقریر و تحریر کا کام نہیں ہے۔ بلکہ خدا کی نمائندگی کا کام ہے۔ اس کو اسی اہتمام کے ساتھ کرنا ہے جس کا وہ متقاضی ہے۔ اس کے لئے ہم کو اسی قدر سنجیدہ بننا ہے جتنا ایک اہم سرکاری پیغام کو پہنچانے والا سنجیدہ ہوتا ہے۔ خیر خواہی اور دل فگاری کے ان تمام تقاضوں کو اس میں شامل کرنا ہے جو اس قسم کی سنگین خبر کے ایک حامل سے متوقع ہے۔ پھر یہ بھی لازمی ہے کہ جس جہنم سے آپ دوسروں کو ڈرانے جا رہے ہیں خود اس سے کانپتے ہوں، جس جنت کی خوش خبری دوسروں کو

دے رہے ہیں، خود اس کے حریص ہوں۔ اگر یہ باتیں نہ ہوں تو آپ کی دعوت و تبلیغ ایک قسم کا مسخرہ پن ہوگا۔ کوئی بھی شخص اس کو اس قابل نہیں سمجھے گا کہ اس پر غور کرے۔

ہماری جدید تاریخ کا ایک بہت بڑا سوال یہ ہے کہ پچھلے تقریباً دو سو برس کے عرصے میں سارے عالم اسلام میں بے شمار بڑی بڑی تحریکیں اٹھیں۔ ان کو کام کرنے کے بے پناہ مواقع ملے۔ مگر ان کی کوششوں کے حقیقی نتائج صفر کی حد تک کم تھے۔ یہ ناکامی انھیں اس کے باوجود ہوئی کہ ان کو اپنے پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے ہر قسم کے بہترین وسائل ملے۔ علم، تقدس، اخلاص، شخصیت، قربانی، تعداد، سرمایہ، غرض وسائل و ذرائع کی کوئی ایسی قسم نہیں جو وافر مقدار میں ان کو حاصل نہ ہوئی ہو۔ مگر ان کی طوفان خیز کوششوں کے نتائج کو دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے صرف ملت کے قافلے کو پیچھے لے جانے کا کام انجام دیا ہے۔

جو لوگ خدا کے قائل نہ ہوں، یا اس کو زندہ اور فعال نہ مانتے ہوں وہ اس واقعہ کی کوئی بھی خود ساختہ توجیہ کر سکتے ہیں۔ مگر خدا پر ایمان کا تقاضا ہے کہ اس پورے واقعہ کو ہم سنت اللہ کے تحت سمجھیں اور اس کو براہ راست خدائی معاملہ قرار دیں۔

اس حیثیت سے غور کیا جائے اور اس سلسلہ میں قرآن کو رہنما بنایا جائے تو بلا کسی اشتباہ کے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہماری تحریکوں کی ناکامی کی وجہ صرف یہ تھی کہ انھوں نے وہ اصل کام نہ کیا جس پر خدا نے امت مسلمہ کے لئے نصرت اجتماعی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری نصرت کا وعدہ اس شرط پر کیا ہے کہ ہم اس کی نصرت کریں یعنی بندوں کو خدا کے تخلیقی منصوبہ سے باخبر کرنے کے لئے خدائی مشن میں شریک ہوں۔ ہماری مہم دنیوی حقوق کے لئے احتجاج اور مطالبہ کی مہم نہ ہو بلکہ انذار آخرت کی مہم ہو۔ ہم دوسروں کے مقابلہ میں دعوتی تحریک اٹھائیں، نہ کہ سیاسی اور اقتصادی تحریک۔

یہی وہ اصل بات ہے جس نے موجودہ زمانے میں ہماری تمام کوششوں کو حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ کا مصداق بنا دیا ہے۔ ہم نے دنیوی سیاست کے لئے تحریکیں اٹھائیں، اس لئے آسمانی نصرت ہم کو حاصل نہ ہو سکی۔ اب اگر ہم چاہتے ہیں کہ اپنے آپ کو بربادیوں سے بچائیں تو اس کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم اقوام عالم کے سامنے داعی بن کر کھڑے ہوں سیاسی اور معاشی جھگڑے ترک کرکے جنت اور جہنم کو اصل مسئلہ بنائیں اور اس سے لوگوں کو آگاہ کریں۔ خدا کی نصرت کو کھینچنے کی واحد صورت یہی ہے، اور جب تک خدا کی نصرت حاصل نہ ہو، ہم کو کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

اہل اسلام کی سربلندی، قرآن کی صراحت کے مطابق ایک خدائی انعام ہے۔ یہ ایک معلوم بات ہے کہ انعام کسی خاص عمل کے صلہ میں دیا جاتا ہے۔ پھر اہل اسلام کا وہ کون سا عمل ہے جو ان کو اس انعام کا مستحق بناتا ہے۔ وہ وہی ہے جو خود امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد ہے۔ یعنی اہل عالم کے سامنے دین کی گواہی دینا۔ لوگوں کو خدا کی مرضی سے باخبر کرنا تاکہ آخرت میں کوئی خدا کے اوپر حجت قائم نہ کر سکے۔ یہی وہ عمل ہے جو اہل اسلام کے لئے خداوندی انعام کا استحقاق پیدا کرتا ہے۔ اگر ہم اس مطلوب کام کو نہ کریں تو دوسرا کوئی بھی ہنگامہ ہم کو انعام کا مستحق نہیں بنا سکتا۔ دوسرے ہنگامے تو سزا کا مستحق بناتے ہیں نہ کہ انعام کا۔

زندگی بعد موت

قرآن میں ہے: خدا تم کو اپنی نشانیاں دکھائے گا تو تم آخرت کو پہچان لوگے (نمل-آخر) موجودہ زمانہ میں بعض مظاہر کے علمی مطالعہ سے زندگی بعد موت پر جو دلائل قائم کیے جارہے ہیں، وہ ممکن ہے اسی قسم کی نشانیوں کا ظہور ہو۔ ہماری موجودہ دنیا اور موت کے بعد کی دنیا کے درمیان شاید بعض روزن کھلے رکھے گئے ہوں تاکہ انسان اپنی زندگی کے اگلے مرحلہ میں داخل ہونے سے پہلے اس سے آگاہ ہو جائے ـــــــ

۲۰ جون ۱۹۷۶ کی ملاقات میں شری مول چند جی (پیدائش ۱۸۸۸) نے اپنی اہلیہ کا واقعہ بتایا۔ یہ سجن ملتان کے رہنے والے تھے۔ ۱۹۴۷ میں دہلی آگئے۔ اب ایسٹ پٹیل نگر نئی دہلی میں اپنے لڑکے کے ساتھ مقیم ہیں۔ ان کی اہلیہ شریمتی تلسی بائی (۱۸۹۰ — ۱۹۶۵) بڑی نیک اور مذہبی خاتون تھیں۔ وہ ملتان میں ۱۹۱۹ میں بیمار ہوگئیں۔ حالت خراب ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک روز نبض کی حرکت اور سانس رک گئی۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ان کی موت ہو چکی ہے، ناک میں روئی ڈال دی گئی اور آخری رسوم کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ یہ کیفیت تقریباً پندرہ منٹ رہی۔ اس کے بعد اچانک ان کے اندر حرکت ہونے لگی، انھوں نے آنکھ کھول دی اور دوبارہ "زندہ" ہوگئیں۔

"میں کہاں تھی" انھوں نے اٹھتے ہی کہا۔ پوچھنے پر انھوں نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ چند آدمی آئے ہیں اور مجھ کو لے کر ایک سرنگ جیسے گول راستہ سے روانہ ہوئے ہیں۔ چلتے چلتے ہم لوگ ایک جگہ پہنچے۔ یہاں راج دربار لگا ہوا تھا۔ آس پاس بڑے سندر باغیچے تھے۔ ایسے جو کبھی دیکھنے میں نہیں آئے تھے۔ وہاں ایک رعب دار آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ایک بہت بڑی کتاب پھیلی ہوئی تھی جس پر لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے۔ لانے والوں نے میرا نام بتایا تو وہ بولا "تم غلط آدمی لائے ہو، اس کو جلدی لوٹاؤ"۔ اس طرح میں دوبارہ یہاں واپس آگئی۔

یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ "دوسری دنیا سے واپسی" کا یہ تجربہ بہت سے لوگوں کو پیش آیا ہے۔ حتیٰ کہ جدید نفسیات میں یہ ایک مستقل مطالعہ کا موضوع بنتا جارہا ہے۔ امریکہ میں بارہ سالہ لڑکی کا واقعہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ وہ ایک بار مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھی۔ اس نے حیرانی و پریشانی کے عالم میں اپنے والدین کو بتایا: "موت کی وادی میں میری ملاقات اپنے چھوٹے بھائی سے ہوئی۔ وہ بڑی محبت کے ساتھ مجھ سے ملا۔ میں اس کی دنیا سے واپس نہیں آنا چاہتی تھی۔ مگر مجھ کو دوبارہ یہاں واپس بھیج دیا گیا"۔ اس نے کہا "یہ ملاقات میرے لئے بڑی عجیب تھی۔ کیونکہ میرا تو ابھی تک کوئی بھائی نہیں"۔ لڑکی کے والدین یہ بات سن کر حیران رہ گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ لڑکی کا ایک بھائی تھا جو چھوٹی عمر میں مر گیا تھا اور لڑکی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔

موجودہ تجرباتی سائنس نے موت یا دوسری دنیا کے مسئلہ کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا تھا کہ وہ محض ایک تصوراتی چیز ہے، سائنسی طریقہ سے اس کا مطالعہ نہیں کیا

جا سکتا۔ مگر موجودہ زمانہ میں ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ علمار کو اپنے سابقہ خیال پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ حتیٰ کہ موت اور دوسری دنیا کے مسئلہ کا سائنسی مطالعہ کرنے کے لئے موجودہ زمانہ میں ایک مستقل علم وجود میں آگیا ہے۔ خصوصاً امریکہ میں اس موضوع پر زبردست تحقیقات ہورہی ہے اور اس کے نتائج کتابوں اور رپورٹوں کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں۔ جو امریکی علمار اس موضوع کی تحقیق میں لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

لیڈی ڈاکٹر الزبتھ کیوبلر روز

ڈاکٹر دانیال فریڈم

ڈاکٹر رابرٹ گبن

ڈاکٹر چارلس گرفیلڈ

ڈاکٹر کارلس اوسِتس

ڈاکٹر رابرٹ ڈین ڈی کیسل

پروفیسر ایلنڈ ورہیرالڈسن

پروفیسر آئن سٹیونسن

جو تجربات اور مشاہدات جدید انسان کو موت کے بعد زندگی کو بطور واقعہ ماننے پر مجبور کر رہے ہیں، ان میں سے ایک "مرے ہوئے شخص کی دوبارہ واپسی" ہے۔ ایسے بہت سے واقعات ریکارڈ کئے گئے ہیں جب کہ ایک ایسا شخص جس کو طبّی طور پر مردہ قرار دے دیا گیا تھا، وہ دوبارہ اس دنیا میں واپس آگیا اور حاضرین کو ایسے تجربات بتائے جو دوسری دنیا کی موجودگی کا ثبوت دے رہے تھے۔ مثلاً اپنے مرے ہوئے رشتہ داروں سے ملاقات۔

عام مشاہدہ ہے کہ آدمی نزع کے وقت اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو پکارنے لگتا ہے۔ اس وقت اگرچہ وہ غشی کے عالم میں ہوتا ہے، پاس بیٹھے ہوئے زندہ لوگوں کی اسے خبر نہیں ہوتی۔ مگر مرے ہوئے اعزہ اور دوستوں کو وہ اس طرح آواز دیتا ہے جیسے وہ انھیں دیکھ رہا ہو۔ جیسے وہ اس کے قریب کھڑے ہوں اور اس کو اگلی دنیا میں لے جانے کے لئے اس کے پاس آئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ جب آدمی اپنے مرے ہوئے اعزہ کو پکارنے لگے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا آخر وقت آگیا۔

۵۰ سالہ ڈاکٹر روز نے ایک ہزار سے زیادہ ایسے

"کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے"، اس سوال نے آج کل نئی وسعت اختیار کرلی ہے۔ امریکہ کے ماہرین نفسیات اس سوال کی سائنسی تحقیق کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگ جن کی "طبّی موت" واقع ہو چکی تھی، ان کو نئے طریقوں سے ازسرِ نو زندہ کیا گیا اور ان سے انٹرویو لئے گئے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ موت کے تجربہ کے بارے میں ہر ایک نے ملتی جلتی باتیں کہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں ایسا محسوس ہوا گویا ہماری روح جسم سے نکل کر باہر تیر رہی ہے۔ وہ ایسے لوگوں سے بھی ملے جو ان سے پہلے مر چکے تھے، وغیرہ

بین اقوامی شہرت کی خاتون محقق ڈاکٹر راس کا کہنا ہے کہ تجربات نے غیر مشتبہ طور پر ثابت کر دیا ہے کہ موت کے بعد آدمی زندہ رہتا ہے۔ کچھ دوسرے لوگ ابھی شبہ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر موڈی نے ایک کتاب اس موضوع پر لکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تجربات داخلی نوعیت کے ہیں اور سائنسی ثبوت کے معیار کو نہیں پہنچتے۔

اس مسئلہ پر امریکہ میں کثرت سے کتابیں چھپ رہی ہیں اور کانفرنس اور سمینار منعقد کئے جا رہے ہیں۔

لوگوں کا قریب سے مشاہدہ اور مطالعہ کیا جو عالم نزع میں گرفتار تھے اور گویا موجودہ دنیا اور اگلی دنیا کے درمیان پہنچ چکے تھے۔ ان لوگوں نے انھیں بتایا کہ نزع کی حالت میں ان کے کئی ایسے دوست اور رشتہ دار ان کے پاس آئے جو پہلے مر چکے تھے "تاکہ سفر آخرت کے وقت ان کی امداد کر سکیں"۔ یہ لوگ اگر اس دنیا میں اپنے بدن کے کسی عضو سے محروم تھے تو نزع کی حالت میں انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے ان کا بدن ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ مثلاً جو شخص لنگڑا تھا اس کو محسوس ہوا کہ اس کے دونوں پاؤں صحیح و سالم موجود ہیں۔

اسی طرح خواب نے بھی زندگی بعد موت کے بارے میں تجرباتی ثبوت فراہم کیا ہے۔ ایسے متعین واقعات علم میں آئے ہیں جب کہ ایک شخص کی ملاقات خواب میں کسی مردہ شخص سے ہوئی اور اس نے خواب دیکھنے والے کو بعض ایسی تفصیلات اور معلومات بہم پہنچائیں جن سے صرف مرا ہوا شخص ہی باخبر ہو سکتا تھا۔

ڈاکٹر کیسل نے شمالی کیرولینا کے ایک امیر شخص کے بارے میں بتایا کہ اس کے چار بیٹے تھے۔ وہ کسی بات پر تین لڑکوں سے ناراض ہو گیا اور ایک وصیت نامہ کے ذریعہ اپنے ان تین لڑکوں کو جائداد میں حصہ دار بننے کے حق سے محروم کر دیا۔ جب وہ مر گیا تو اس کے جلد ہی بعد اس کے چوتھے لڑکے نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا جس کو از روئے وصیت تمام جائداد مل رہی تھی۔ خواب میں اس کے باپ نے اپنی پسندیدہ برساتیوں میں سے ایک برساتی اوڑھ رکھی تھی۔ وہ سراپا احتجاج دکھائی دیتا تھا اور دوران گفتگو بار بار برساتی نما کوٹ کی اندرونی جیب کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ نیند کھلی تو لڑکے نے اپنے باپ کی اس کوٹ کو جو اس نے خواب کے دوران پہن رکھا تھا نکالا اس کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ جیب میں باپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک وصیت نامہ موجود تھا۔ اس پر گواہوں کے دستخط بھی تھے۔ اس کے تحت پچھلی وصیت کو منسوخ کرتے ہوئے بقیہ تینوں لڑکوں کو بھی حق دیا گیا تھا کہ وہ اپنے حصہ کی جائداد وصول کر سکتے ہیں۔ باپ نے موت سے تھوڑی دیر پہلے جائداد کی وراثت کے بارے میں اپنا فیصلہ بدل لیا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنا وصیت نامہ تیار کرایا اور اس کو مکمل کرکے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس سے پہلے کہ اپنے تمام لڑکوں کو اس تبدیلی فیصلہ سے آگاہ کرے، انتقال کر گیا۔

اسی طرح ایک عورت کا واقعہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ اس کا آپریشن کیا گیا۔ آپریشن کے دوران وہ مکمل طور پر بے ہوش تھی۔ مگر بعد کو اس عورت نے ڈاکٹر کی ایک سرجیکل غلطی سے آگاہ کیا جس کو فوراً درست کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپریشن کے دوران آپریشن کرنے والا عملہ جو گفتگو کر رہا تھا اس کا کچھ حصہ بھی اس نے انچارج کے سامنے دہرایا اور عملہ نے اس کی تصدیق کی۔

ڈاکٹر گرفیلڈ نے بتایا کہ حال میں میں ایک بوڑھی عورت کا معائنہ کر رہا تھا۔ یہ عورت ہڈی کے کینسر کی مریض تھی۔ اس کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی۔ ہم نے مریضہ کے درد کو دور کرنے کی جتنی تدبیریں کیں سب بے سود ثابت ہوئیں۔ اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے اس کو بہت افاقہ ہو گیا ہو۔ میں نے عورت سے اس کی اچانک تبدیلی کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ابھی اس کی مردہ ماں اس سے ملنے آئی تھی اور اس کو بتا گئی ہے کہ بہت

جلد دونوں اکٹھا ہوجائیں گی۔ اپنی ماں سے اس گفتگو کے بعد وہ بہت پرسکون ہوگئی اور تھوڑی دیر کے بعد مرگئی۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے واقعات ہیں جن کی چھان بین کے بعد علماء کی ایک جماعت نے دوسری زندگی کو بطور واقعہ تسلیم کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ: ہم یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ موت کے بعد ایک اور زندگی کا وجود ہے۔ ہم اس حقیقت کو سائنسی تجربات کے ذریعہ جان سکتے ہیں"

مغربی دنیا میں علم الموت (Thanatalogy) اب ایک مستقل فن بن گیا ہے جس پر سائنسی انداز سے تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اس علم کے گرد اور بھی کئی علوم وجود میں آئے ہیں، مثلاً عمر کی سائنس (Gerantalogy) مستقبل کی سائنس (Futuralogy) وغیرہ۔

- Dr Karlis Osis, American Society of Psychical Research, New York;
- Dr Elisabeth Kubler-Ross (USA);
- Dr Raymond A.Moody Jr.: Life After Life (USA, 1976);
- "Life After Death", Newsweek, July 12, 1976;
- Time, January 7, 1974.

امریکی میگزین ٹائم (۷ جنوری ۱۹۷۴) نے لکھا تھا:

"زیادہ دن نہیں گزرے، موت کے بارے میں بحث زیادہ تر ان مخصوص کتابوں کا موضوع ہوتی تھی جو یورپ میں تیار ہوتی تھیں اور وہاں سے امریکہ درآمد کی جاتی تھیں۔ اچانک طور پر موت امریکہ کا بہت زیادہ مقبول موضوع بن گیا ہے۔ حتیٰ کہ وہ علمی اختصاص کا ایک موضوع ہے۔ مینی سوٹا یونیورسٹی کو فخر ہے کہ اس نے موت کے مطالعہ کا ایک مرکز قائم کیا ہے۔ یو۔ سی۔ ایل۔ اے نے اپنے یہاں ایک لیبورٹری قائم کی ہے جس کا مقصد زندگی کو نقصان پہنچانے والے حالات کا مطالعہ کرنا ہے۔ تقریبی اجتماعات میں اب موت کا موضوع، جنس اور سیاست جیسے سدا بہار موضوعات سے تجاوز کرنے لگا ہے۔ اٹلانٹک کے ایک مضمون میں کہا گیا ہے کہ کتابوں کی ایک نئی قسم وجود میں آئی ہے جس کو علم الموت کی کتابیں کہا جاتا ہے" □

فریدہ خانم
ایم۔اے

حادثات ہیرو بنا دیتے ہیں

۳۱ اگست ۱۹۷۶ کا واقعہ ہے۔ دہلی کے روزری اسکول (نزد ریڈیو کالونی) کے میدان میں لڑکے جمع تھے۔ اتنے میں ایک کالا سانپ نکلا اور ایک چھ سالہ بچے کو لپیٹ لیا۔ بچہ چیخنے لگا اس کے ساتھی بھی چیختے ہوئے بھاگے۔ چیخ پکار اسٹاف روم تک پہنچی اور اسکول کی استانیاں بچہ کی طرف دوڑیں۔ مگر اس کا خوفناک حال دیکھ کر سب سہم گئیں۔ اتنے میں ایک استانی خاموشی کے ساتھ آگے بڑھی۔ اس کے ہاتھ میں صرف ایک اخبار تھا۔ اس نے اخبار کو سانپ کے منھ پر رکھا اور پوری طاقت سے اس کو پکڑ کر بچے کے پاؤں سے الگ کر دیا۔ لڑکا فوراً قریب کے ہندو راؤ اسپتال میں لے جایا گیا، جہاں وہ چند دن کے علاج سے اچھا ہو گیا۔ سانپ کو اسپتال کی لیبورٹری میں پہنچا دیا گیا جہاں وہ زندہ حالت میں موجود ہے۔

استانی کا نام مسز جان ہے۔ اور بچہ کا نام راجن کپور۔

مسز جان نے اس سے پہلے کبھی سانپ نہیں دیکھا تھا۔ انھوں نے اپنا تاثر بتاتے ہوئے کہا: "مجھے یقین نہیں آتا کہ میں نے اس موذی سانپ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا۔ اب تو مجھے اس کو سوچ کر بھی ڈر لگتا ہے۔"

یہ دراصل "حادثہ" تھا، جس نے مسز جان کو اس حیرت ناک بہادری کے لئے آمادہ کیا۔ حادثات آدمی کو ہیرو بنا دیتے ہیں۔

مولانا محمد علی (۱۸۷۸ - ۱۹۳۱) جب بیتول جیل میں نظر بند تھے، ان کی اہلیہ جیل خانہ میں ان سے ملاقات کے لئے گئیں۔ انھوں نے اپنے شوہر مولانا محمد علی سے کہا: "تم ہماری فکر نہ کرنا۔ خدا ہی پہلے بھی رازق تھا اور اب بھی وہی رازق ہے۔ تم صرف ایک واسطہ تھے۔ اور خدا بلا واسطہ بھی دے سکتا ہے اور دوسرا واسطہ بھی پیدا کر سکتا ہے"۔ اس کے بعد انھوں نے کہا "رہا تمھارا کام، سو اگر اجازت ہو تو میں اسے کرتی ہوں"

مضامین محمد علی، جلد اول، صفحہ ۸۴ - ۸۳

چنانچہ انھوں نے "کام" شروع کیا اور دو سال کے عرصے میں ۴۵ لاکھ روپے کا چندہ خلافت تحریک کے لئے جمع کر لیا۔ یہ ۴۵ سال پہلے کا واقعہ ہے جب کہ "لاکھ" کا مطلب اس سے بہت زیادہ تھا جو آج سمجھا جاتا ہے ◻

گھڑیال کی تجارتی اہمیت

شکار خور جانور نہ ہوں تو دنیا ہمارے لئے ناقابل رہائش بن جائے

انسان کی قبریں ہم جگہ جگہ دیکھتے ہیں مگر جانوروں کا کوئی قبرستان ہمیں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ حالانکہ انسان کے مقابلہ میں جانوروں کی تعداد ناقابل قیاس حد تک زیادہ ہے اور ان میں سے کروڑوں ہر روز مرتے بھی رہتے ہیں۔ اس کی وجہ جانوروں میں شکار خور (Predators) کی موجودگی ہے۔ جانوروں میں بے شمار ایسے جانور ہیں جو اپنے دوسرے ابنائے جنس کو زندہ یا مردہ حالت میں اپنی خوراک بناتے رہتے ہیں، اس کی وجہ سے فضا کا توازن (Ecological Balance) برقرار رہتا ہے۔ اگر ایسے جانور دنیا میں نہ ہوں تو صرف چند دن میں خشکی اور سمندر دونوں جانوروں کی لاشوں سے بھر جائیں اور اس کی وجہ سے اتنا تعفن پھیلے کہ بالآخر انسانی نسل کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

گھڑیال بھی انھیں شکار خور جانوروں میں سے ایک ہے۔ قدیم زمانہ میں گھڑیال کو "مردم خور" سمجھا جاتا تھا۔ مگر زیادہ صحیح لفظوں میں وہ ایک ایسا جانور ہے جس کا کام یہ ہے کہ انسان دشمنوں کو اپنی خوراک بناتا رہے۔ شمالی ہند کے دریاؤں میں جو لاشیں پھینکی جاتی ہیں، ان کو گھڑیال ہی ٹھکانے لگاتے ہیں ورنہ تھوڑے ہی دنوں میں تمام دریا زہریلے ہو کر رہ جائیں۔ اسی طرح دریاؤں کو مردہ مچھلیوں کا تالاب بن جانے سے جو چیز بچاتی ہے وہ بڑی حد تک ان دریاؤں میں گھڑیالوں کی موجودگی ہے۔ جمنا کے کنارے بیٹھ کر ایک شخص نے اندازہ لگایا تو اس نے دو گھنٹے کے اندر ۶۵ گھڑیال شمار کئے۔ مگر ان کی تعداد کم ہوتی جا رہی ہے۔

گھڑیال تجارت کا ذریعہ بھی ہیں۔ چمڑے کی بین اقوامی مارکٹ میں گھڑیال کی کھالوں کی مسلسل مانگ رہتی ہے ۱۲ فٹ کے ایک گھڑیال کی کچی کھال کی قیمت ۴۰۰ روپے ہے۔ گھڑیال کے چمڑے کا بنا ہوا ایک ہینڈ بیگ پانچ ہزار روپے تک فروخت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا گوشت، اس کی چربی، اور اس کے جسم کے بعض اجزاء بھی اچھی قیمتوں پر فروخت ہوتے ہیں۔

حکومت ہند نے گھڑیالوں کے پالنے کے لئے خصوصی اسکیم بنائی ہے۔ پایا گیا ہے کہ وہ ایسے مقامات پر زیادہ

بہتر طور سے پرورش پاتے ہیں جہاں کم سردی پڑتی ہو۔ حکومت کا پہلا مرکزی گھڑیال فارم اڑیسہ میں بنایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مدراس اسنیک پارک ٹرسٹ نے ایک "کروکوڈائل بنک" مہابلی پورم (تامل ناڈو) میں بنایا ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا گھڑیال فارم سموتا کان (SAMUTAKAN) تھائی لینڈ میں ہے۔ یہاں کے ذخیرۂ آب میں ۲۰ ہزار گھڑیال ہیں۔ حکومت تھائی لینڈ ان کے تیار شدہ چمڑوں کو فروخت کرتی ہے اور یہ اس کے لئے زرمبادلہ حاصل کرنے کا ایک مستقل ذریعہ ہے۔

اندازہ کیا گیا ہے کہ فطری حالات میں گھڑیال کے صرف ایک فی صد انڈوں سے بچہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ ان کے انڈوں اور بچوں کو مختلف قسم کے جانور مچھلیاں اور چڑیاں کھا جاتی ہیں۔ گھڑیال کے انڈے انسانوں کی خوراک بھی بنتے ہیں۔ انڈمان کے بازار میں ان انڈوں کی بہت مانگ ہے۔

گھڑیال کے فارم میں انڈوں کا تحفظ ممکن ہو جاتا ہے اور اس طرح گھڑیال کی نسل کو بہت بڑھایا جا سکتا ہے۔ گھڑیال کے چمڑوں کو تیار کرنے کے لئے اسمال اسکیل انڈسٹری قائم کی جا سکتی ہے۔ اس قسم کے فارم ہر اس ریاست میں قائم کئے جا سکتے ہیں جہاں پانی کے بڑے ذخیرے، جھیلیں اور تالاب ہوں۔ یہ مقامات سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز بھی بن سکتے ہیں۔ کرناٹک اور راجستھان کے بعض ذخائر آب میں گھڑیالوں کی موجودگی نے ان مقامات کو سیاحوں کے لئے پرکشش بنا دیا ہے۔ یہی کام اگر سائنٹفک طریقوں سے کیا جائے تو یہ فائدہ زیادہ بڑے پیمانہ پر حاصل کیا جا سکے گا ☐

جب خدا کے دین کو دنیا دارانہ زندگی میں ڈھال لیا جائے

اسلام کا مطلب یہ ہے کہ زندگی خدا اور آخرت کی یاد میں ڈھل جائے۔ یہاں بندہ اپنے رب سے روحانی سطح پر ملاقات کرتا ہے۔ مگر جب اسلام کے ماننے والوں کو زوال ہوتا ہے تو اسلام کی روح غائب ہو جاتی ہے اور صرف اس کے دنیوی پہلو باقی رہ جاتے ہیں، اسلام اپنی سطح سے اتر کر ماننے والوں کی سطح پر آجاتا ہے —— نظر نہ آنے والے خدا سے خوف و محبت کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔ البتہ نظر آنے والے خداؤں (احبار و رہبان) کی تقدیس و تمجید زوروں پر شروع ہو جاتی ہے۔ خدا کے لئے تنہائیوں میں رونا اور خاموشیوں میں اس سے گڑگڑانا باقی نہیں رہتا، البتہ لاؤڈ اسپیکر کے اوپر قرآن و اسلام کے ہنگامے خوب ترقی کرتے ہیں۔ نماز لوگوں کے دلوں کو روشن نہیں کرتی۔ البتہ مسجدوں کی روشنیاں پورے شباب پر پہنچ جاتی ہیں۔ روزہ سے صبر اور پرہیزگاری نکل جاتی ہے، البتہ افطار و سحر کی دھوم خوب بڑھ جاتی ہے۔ عید میں شکر اور سجدہ کی روح نہیں ہوتی، البتہ کپڑے اور میلے کے تماشے خوب رونق پکڑتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے دین کو اپنی دنیا دارانہ زندگی میں ڈھال لیا جاتا ہے

عربوں کی قبل از اسلام تاریخ کو جاننے کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ قرآن ہے نہ کہ قدیم جاہلی ادب

ڈاکٹر طٰہٰ حسین مصری (۱۸۸۹-۱۹۷۳) نے عربوں کے جاہلی ادب پر ایک کتاب لکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قدیم عربوں کی زندگی کو جاننے کا زیادہ بہتر ذریعہ قرآن ہے نہ کہ جاہلی ادب، جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ یہاں ان کے خیالات کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے۔

میں عرب جاہلیت پر تحقیق کرنے بیٹھوں گا تو امرؤالقیس، نابغہ، اعشیٰ، زہیر، قس بن ساعدہ اور اکثم بن صیفی کے اشعار کی راہ ہرگز اختیار نہ کروں گا۔ میں جاہلی زندگی کو قرآن میں تلاش کروں گا۔ کیوں کہ اس سے زیادہ سچا نقشہ زمانہ جاہلیت کا اور کوئی نہیں پیش کر سکتا۔

ہمارے پاس جاہلیت کے اشعار کا جو ذخیرہ موجود ہے، اس سے عربوں کی ایک ایسی زندگی کی تصویر ملتی ہے جو خاموش، بے بنیاد، کھوکھلی، مذہبی احساس سے یکسر خالی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو امرؤالقیس، طرفہ اور عنترہ کی شاعری میں یہ جذبہ کیوں نظر نہیں آتا۔

قرآن بالکل دوسرا نقشہ پیش کرتا ہے۔ کیا قرآن نے روم اور ایران کے درمیان لڑائی کا ذکر نہیں کیا ہے، جس نے عرب قوم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ ایک روم کی خیر خواہی کا دم بھرتا تھا۔ دوسرا ایران کی طرف داری کرتا تھا۔ یہ چیز موجودہ جاہلی ادب کے ماننے والوں کا یہ گمان بالکل غلط ثابت کرتی ہے کہ عرب قوم دنیا سے بے تعلق قوم تھی۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کس طرح ان لوگوں کی روم و ایران کی سیاست میں دلچسپی لینے کا تذکرہ کرتا ہے۔

سورۂ قریش میں بیرونی دنیا سے عربوں کے اقتصادی تعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ دونوں سفر بیرونی دنیا کی طرف ہی ہوتے تھے۔ ایک شام کی طرف، دوسرا یمن، ایران اور حبشہ کی طرف۔ رسول عربی کی سیرت بھی ہمیں بتاتی ہے کہ عرب قوم نے آبنائے باب المندب سے ہو کر ملک حبش کی طرف ہجرت کی تھی۔ یہی سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ قوم حیرہ ہوتی ہوئی بلاد ایران تک ایک طرف اور شام و فلسطین ہوتی ہوئی مصر تک دوسری طرف پہنچ گئی تھی۔

امرؤالقیس کا کلام پڑھیے یا کسی اور شاعر کا، آپ جاہلی ادب کا سارا انبار الٹ ڈالیے، عربوں کی اقتصادی زندگی پر ایک لفظ ایسا نہیں ملے گا جو ان کے اقتصادی تعلقات کے بارے میں رہنمائی کر سکے۔

قرآن نے عربی قوم کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک سرمایہ داروں کا طبقہ جو دولت پر نثار اور سود خواری میں منہمک ہے۔ دوسرا تہی دستوں کا۔ قرآن صاف لفظوں میں دوسرے طبقہ کی پشت پناہی کرتا ہے اور سود خوار طبقہ سے کہتا ہے کہ خدا و رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ بات صراحۃً اس فساد کا پتہ دیتی ہے جو عربوں کی اقتصادی زندگی میں موجود تھا۔ جاہلی ادب کی نظم و نثر میں وہ کون سی جگہ ہے جہاں غریبوں اور امیروں کے درمیان طبقاتی کش مکش کی کوئی جھلک نظر آتی ہو۔ وہ ادب کیسا ادب ہو گا جو ان تکلیفوں کی

عکاسی نہ کرے جو غریبوں کو اپنی غریبی کی وجہ سے برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ جو اپنے زمانے کی تمدنی، اجتماعی اور اقتصادی زندگی کی ترجمانی سے معذور ہو۔

قرآن میں ہم بار بار بخل اور طمع کی مذمت دیکھتے ہیں۔ اس قسم کی آیتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کے عرب دولت کو حقیر سمجھنے والے اور روپیہ کو لٹانے والے نہ تھے، جیسا کہ جاہلیت کی شاعری سے ظاہر ہوتا ہے بلکہ ان میں اگر فیاض لوگ تھے تو بخیل بھی تھے۔ دولت لٹانے والے تھے تو لالچی بھی تھے۔ اور حق یہ ہے کہ عربوں کی زندگی واقعۃً ایسی ہی تھی۔ کیونکہ مکہ اور مدینہ کی زندگی کی اصل بنیاد تجارت تھی۔ اور قدیم قوموں میں جہاں کہیں بھی تجارت کا ذکر ہے، اسی کے ساتھ سود، بخل، لالچ، ظلم کا بھی ذکر ہے۔ یہ نقائص مال کے جمع کرنے سے وابستہ ہیں۔ درآں حالیکہ جاہلی ادب میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ قرآن ناقابل تردید انداز میں مکہ، مدینہ اور طائف کی وہی تصویر پیش کرتا ہے جو دوسرے پرانے شہروں، ایتھنز، روم اور کارتھیج (قرطاجنہ) کی تصویروں سے ملتی جلتی ہے۔

جاہلی ادب کے نام سے جو چیز ہمارے پاس موجود ہے وہ صرف صحرا اور بادیہ کی عربی زندگی کا ذکر کرتی ہے اور وہ بھی ناکمل۔ ہم زمانہ جاہلیت کے اشعار میں کہیں بھی نہ تو سمندر کا ذکر پاتے ہیں، نہ اس کی طرف کوئی اشارہ۔ گویا کہ زمانہ جاہلیت میں عرب قوم سمندر کے علم سے ناواقف تھی اور ان کو سمندر سے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔ مگر قرآن عربوں پر یہ احسان رکھتا ہے کہ "خدا نے تمھارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا ہے اور تمھارے لئے سمندر میں منافع ہیں"۔ اسی طرح قرآن احسان رکھتا ہے کہ "سمندر سے تم تازہ گوشت حاصل کرتے ہو"۔ یہ کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عرب ان چیزوں سے واقف تھے۔ جاہلیت کے اشعار میں یہ چیز کہاں مل سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایام جاہلیت کی صحیح تصویر اس بے نتیجہ ادب میں، جس کو لوگ جاہلی ادب کہتے ہیں، ڈھونڈنے کے بجائے قرآن میں تلاش کرنا چاہئے۔

(الادب الجاہلی) □

لطیفہ

مرزا غالب (۱۷۹۷ — ۱۸۶۹) جس مکان میں رہتے تھے، اس مکان میں چھت کے اوپر ایک کمرہ تھا اور اس کمرہ سے ملی ہوئی ایک تنگ و تاریک چھوٹی سی کوٹھری تھی۔ گرمی کے موسم میں وہ ٹھنڈی رہتی تھی۔ سخت موسم میں مرزا اسی کوٹھری میں بیٹھتے تھے۔

ایک بار رمضان کا مہینہ تھا، سہ پہر کے وقت مرزا غالب اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ اس کوٹھری میں بیٹھے ہوئے چوسر کھیل رہے تھے اور تفریح کر رہے تھے۔ اتنے میں مفتی صدر الدین خاں آزردہ وہاں آ گئے۔ کوٹھری میں لہو و لعب کا منظر دیکھ کر انھوں نے مرزا سے کہا: ہم نے حدیث میں پڑھا تھا کہ رمضان کے مہینے میں شیطان کو قید کر دیا جاتا ہے۔ آج اس حدیث کی صحت پر شبہ ہو گیا۔

مرزا غالب فوراً بولے: "مولانا! حدیث بالکل صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ شیطان جہاں قید کیا جاتا ہے وہ یہی کوٹھری ہے"۔

مذکورہ عربی اخبار
کے دو صفحات
میں سے ایک صفحہ
کا جزوی عکس
یہاں دیا جارہا ہے

نحو بعث اسلامي

برنامج جديد يطرحه المفكر الهندي
وحيد الدين خان

بعد ... سنوات من الفكر والتخطيط لانشاء المركز الاسلامي العالمي للدعوة ، انشيء في الشهر الماضي (المركز الاسلامي للدعوة والبحوث) بدلهي باشراف المفكر الهندي المعروف الاستاذ وحيد الدين خان — كمؤسسة رسمية غير سياسية لنشر الدعوة في كل انحاء العالم ولمواجهة الغزو الفكري الالحادي والتبشيري المستهدف للشعوب الاسلامية . وقد اقيم المركز بامكانات متواضعة ، والهدف الاسمى الذي انشىء من اجله جدير كل الجدارة بأن نهب لنجدته ونصرته ليتمكن من اداء واجبه على النحو المطلوب .

المركز الإسلامي العالمي يظهر للوجود

في احسن صوره العملية . ولم يكن غريبا علينا هذا الصوت لانه يصدر من نفس تلك الاعماق التى صدر منها صوت جمال الدين الافغاني ومحمد عبده ومحمد اقبال ذلكم هو المفكر الهندي المسلم وحيد الدين خان ، رئيس تحرير مجلة (الرسالة) الشهرية بدلهي وصاحب المؤلفات الاسلامية العلمية الحية من مثل « الاسلام يتحدى » و « الدين في مواجهة العلم » و « حكمة الدين » و « الاسلام والعصر الحاضر » وغيرها من الكتب التى لم تترجم بعد الى اللغة العربية. وهو مؤسس مدرسة اسلامية فكرية محددة تؤمن :

اقتصادياتها كتمهيد لابد منه لاية نهضة اسلامية ناجحة .

وهو يدعو المسلمين الى الانتباه لواجبهم الحقيقي في هذه الدنيا والذي يتركز — اولا : في الاصلاح الذاتي ، وثانيا : في القيام بالشهادة على الناس (الدعوة) ، لان الامة المحمدية مكلفة بعد النبي الكريم بابلاغ الرسالة الى الشعوب الاخرى والا اصبح انتماؤها الى النبي العربي « صلى الله عليه وسلم » نفسه مشكوكا فيه لو تخلت عن الواجب الملقى على عاتقها .

والاستاذ وحيد الدين خان يؤمن بانه لابد من بدء مشروع (فكري)

وهو يضع ، بالتالي ، اختيارا محددا امام المسلمين : اما ان نعمل وفق الفعالية الحضارية المطلوبة او نظل قاصرين عن تحقيق النهضة الحضارية المنشودة

والرسالة الانفة الذكر « نحو بعث اسلامي » تتنعى اوضاع المسلمين الاخلاقية والدينية والاقتصادية بعد المجد الذي عاشوه طيلة القرون الماضية ، وتقول ان السبب في انتكاستنا الحالية هو : اننا ضعفاء في عالم اليوم والضعف

الخطير الذي طرا على مفهـ... القوة منذ انتقلت من الق... العضلية الى القوة الالية القائ... على التقنية الحديثة . وقدم الم... الهندي المسلم تحليلا شـ... للظاهرة اليابانية في الاستفادة ... امكانات العصر وتسخيرها للنهض... الوطنية وذلك بتركيزها على التعل... والصناعة والتقنية ، وهو يقول ...

الرسالہ کا ذکر
عرب اخبارات میں

آواز پھیل رہی ہے

طرابلس (لیبیا) کے کثیر الاشاعت اخبار الفجر الجدید نے اپنے ہفتہ وار ایڈیشن میں اسلامی مرکز اور اس کے ترجمان ماہنامہ الرسالہ کا تعارف شائع کیا ہے۔ بڑے سائز کے دو مکمل صفحات میں شائع شدہ اس تعارف میں "الرسالہ" کی بابت تحریر ہے:

قد صدرت بدلهي مجلة (الرسالة) الشهرية باللغة الاردية وستلحقها مجلات بالعربية والانجليزية عما قريب

(اسلامی مرکز کے آرگن کے طور پر) دہلی سے ماہنامہ الرسالہ جاری ہوا ہے۔ عنقریب عربی اور انگریزی جرائد بھی جاری کئے جائیں گے

تبصرہ میں مختلف قسم کی تفصیلات دیتے ہوئے آخر میں کہا گیا ہے:

ان مناصرة المركز الاسلامي لا يحتمها فقط الشعور الاسلامي المشترك بل هي واجب ملقى على عاتق الامة العربية قبل غيرها لانها مسئولة عن الدعوة وتبليغ الرسالة بالدرجة الاولى و نصرة الله لها لن تتحقق الا بتأديتها الأمانة والرسالة على خير وجه ومن هنا فان مناصرة المركز الاسلامي للدعوة والبحوث هو عين الجهاد في سبيل الله

اسلامی مرکز کی مدد کرنا صرف مشترک اسلامی جذبہ ہی کا تقاضا نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو امت عربیہ کے کاندھوں پر دوسروں سے پہلے عائد ہوتا ہے۔ کیونکہ دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے وہ بدرجہ اولی ذمہ دار ہے۔ اللہ کی نصرت کا استحقاق اس کے لئے اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ اس امانت کو بہتر طریق پر لوگوں تک نہ پہنچا دے۔ اسلامی مرکز کی اعانت اللہ کی راہ میں اعانت ہے۔"

الفجر الجدید کے ہفتہ وار ایڈیشن میں شائع شدہ اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسلامی مرکز کا قیام پچھلے چھ سال کے غور و فکر اور منصوبہ بندی کے بعد عمل میں آیا ہے۔ یہ مرکز فی الحال معمولی وسائل سے شروع کیا گیا ہے۔ حتی کہ اس کے پاس اپنی مستقل عمارت بھی نہیں ہے۔ مگر اس کے پیش نظر جو عظیم مقصد ہے، اس کا حق ہے کہ اس کو امت کا ہر قسم کا تعاون ملے تاکہ وہ اپنے پروگرام کی تکمیل کر سکے۔

ساتویں صدی میں جب اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا تو زندگی کا نظام شرک کی بنیاد پر قائم تھا۔ قرآن نے اپنے معجزانہ ادب اور علمی استدلال کے ذریعہ اس بنیاد کو منہدم کیا۔ اس کے بعد ہی یہ ممکن ہو سکا کہ خدا کا دین ایک برتر نظام کی حیثیت سے دنیا میں اپنی جگہ پا سکے۔

موجودہ زمانہ میں ایک نیا انقلاب آیا ہے جس نے زندگی کے نقشہ کو دوبارہ بدل ڈالا ہے۔ قدیم زمانہ میں انسانی فکر کی بنیاد اگر شرک تھی تو موجودہ زمانہ میں الحاد ہے۔ جب تک اس ملحدانہ فکری بنیاد کو منہدم نہ کیا جائے، خدائی بنیاد پر زندگی کی نئی تعمیر نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی مرکز اور الرسالہ کا مقصد اسی فکری مہم کی منصوبہ بندی کرنا اور اس کو موثر انداز پر چلانا ہے

سیاست کے ساتھ دینی خدمت کا کام نہیں کیا جا سکتا

"میری کوششوں کی وجہ سے دسمبر ۱۹۶۳ سے لے کر مارچ ۱۹۶۵ تک تقریباً دو لاکھ (۱۸۶۹۳۰) مشرکوں نے اسلام قبول کیا۔ ان میں سے بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو سماجی زندگی میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔"

یہ نائجیریا کے سابق وزیر اعظم الحاج احمدو بلو (۱۹۶۶ — ۱۹۰۱) کے الفاظ ہیں جو انھوں نے ۱۳۸۴ھ (۱۹۶۴) کی موتمر اسلامی (قاہرہ) میں تقریر کرتے ہوئے کہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ افریقہ کی لگ بھگ ۲۲ کروڑ آبادی میں دس کروڑ ۸۰ لاکھ مسلمان ہیں۔

اگر مسلم ملکوں کی مدد شامل حال ہو تو افریقہ کے مشرک قبائل میں تیزی سے اسلام پھیل سکتا ہے۔ اور اس کا ثبوت خود میری وہ کامیابیاں ہیں جن کا میں نے ابھی حوالہ دیا۔"

احمدو بلو کو اسلام کی خدمت کا یہ جذبہ اپنے دادا عثمان ڈان فوڈیو سے ملا تھا۔ ۱۹ویں صدی میں جب پرتگال، فرانس اور برطانیہ نے افریقہ کے علاقوں میں گھسنا شروع کیا تو افریقہ میں اس کے ردعمل کے تحت بہت سے مصلحین اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں میں سے ایک عثمان ڈان فوڈیو بھی تھے۔ انھوں نے گزشتہ صدی میں مسلمانوں کی اصلاح اور استعماری طاقتوں کے خلاف جہاد کی زبردست تحریک چلائی۔ دریائے نائجیریا کے کنارے کنارے دور تک انھوں نے اسلام کا جھنڈا لہرا دیا تھا۔ ۱۸۳۳ میں ان کے انتقال کے بعد ان کے جانشینوں نے یہ مہم جاری رکھی۔ نائجیریا کی راجدھانی لاگوس سے لے کر شمال میں لکوٹو شہر تک مقابلے جاری تھے۔ تاہم آخری فیصلہ انگریزوں کے حق میں ہوا۔ انھوں نے ۱۸۸۶ میں سلطان محمد طاہر اور ان کے ساتھیوں کو شکست دے کر نائجیریا پر قبضہ کر لیا۔

احمدو بلو اپنی روایات کے درمیان موجودہ صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ سوکوتو کے امیر قبیلہ تھے۔ ابھی وہ دس سال کے تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی ماں ایک دیندار خاتون تھیں۔ قدیم رواج کے مطابق پہلے انھیں قرآن حفظ کرایا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے عربی مدرسہ میں داخلہ لیا اور ۲۱ سال کی عمر تک دینی تعلیم سے فراغت حاصل کر لی۔ ۱۹۲۶ میں مغربی تعلیم کے لئے کاستینا کالج میں داخل ہوئے اور انگریزی زبان اور ریاضیات کی تعلیم مکمل کی۔ خاندانی وراثت کے تحت ان کو سکوتو کا امیر بنایا گیا۔ ۱۹۳۴ میں سلطان حسن نے ان کو شہر رباح کا گورنر مقرر کیا۔

۱۹۳۸ میں جب سلطان حسن کا انتقال ہوا تو نئے سلطان ابوبکر نے احمدو بلو کو سوکوتو کے "ساردونا" کے منصب پر سرفراز کیا۔ ۱۹۴۸ میں انھوں نے لندن کا سفر کیا اور آزادی کے مسائل پر حکومت برطانیہ سے گفتگو کی۔

۱۹۶۳ کی مردم شماری کے مطابق نائجیریا میں ۲۶ ملین مسلمان ہیں، عیسائی ۱۹ ملین اور دوسرے قبائل ۱۰ ملین ہیں۔ شمالی نائجیریا میں زیادہ تر مسلمان آباد ہیں اور جنوبی نائجیریا میں زیادہ تر عیسائی۔ احمدو بلو شمالی نائجیریا کے لیڈر رہے۔ وہ مغربی استعمار کے خلاف جنگ میں پیش پیش رہے۔ ۱۹۶۰ میں نائجیریا آزاد ہوا تو وہاں ایک فیڈرل گورنمنٹ بنی۔ اس حکومت کے فیڈرل پرائم منسٹر

سر ابوبکر تفاوا بلیوا (۱۹۱۲ - ۱۹۶۶) تھے۔ احمدو بلو شمالی نائجیریا کے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔ یہ ایک مخلوط حکومت تھی جس میں مختلف پارٹیوں کے نمائندے اور اور مسلمان اور عیسائی دونوں شریک تھے۔ احمدو بلو نے مسلمانوں کی اصلاح و تعمیر اور عیسائیوں میں اسلام کی اشاعت کا کام پوری توجہ سے شروع کیا۔ اس کے نتائج بھی نکلنے شروع ہوئے۔ مگر انھیں زیادہ کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ۱۵ر جنوری ۱۹۶۶ کو ۲۵ فوجی افسروں نے مل کر بغاوت کر دی۔ اس بغاوت میں ابوبکر تفاوا بلیوا، احمدو بلو اور بہت سے مسلمان اور عیسائی مارے گئے۔ اس کے بعد نائجیریا میں فوجی حکومت قائم ہو گئی جس کے سربراہ جنرل ارونسی تھے۔ مگر انھیں بھی صرف چھ ماہ حکومت کرنے کا موقع ملا۔ ۲۹ر جولائی ۱۹۶۶ کو دوسری فوجی بغاوت ہوئی اور وہ بھی ختم کر دیے گئے۔

نائجیریا میں دو مسئلے ہیں۔ یہاں مسلمانوں کی تعداد ستر فی صد ہے۔ مگر تعلیم، اقتصادیات اور تنظیم میں پیچھے ہونے کی وجہ سے عملاً اکثر شعبوں پر عیسائی چھائے ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ انھیں تعلیمی اور اقتصادی اعتبار سے بلند کیا جائے تاکہ وہ ملک میں اپنا جائز مقام پا سکیں۔ دوسرا کام یہاں کے عیسائیوں اور خاص طور پر ۱۰ ملین مشرک قبائل میں اسلام کی اشاعت ہے۔ یہ دونوں کام احمدو بلو نے شروع کر دیے تھے۔ مگر ان کی شہادت سے جو سبق ملتا ہے وہ یہ کہ تعمیر و تبلیغ کا کام سیاست کو لے کر نہیں کیا جا سکتا۔ احمدو بلو اگر سیاست سے الگ ہو کر یہ کام کر رہے ہوتے تو وہ ۲۰ - ۲۵ برس میں نائجیریا کی تاریخ بدل دیتے۔ مگر سیاست کے خارزار نے انھیں بھی ختم کر دیا اور ان کے ملی اور اصلاحی کام کو بھی ■

م۔ احمد ایم اے

صحت مند انسان اپنے مسائل کا حل جذبات سے بالا ہو کر اس طرح کرتے ہیں جیسے یہ ریاضی کے سوال ہوں۔

ایک سیاست داں نے ایک کیمیا کے متلاشی سے کہا: تانبے کو سونا بنانے کا سب سے آسان اور کامیاب طریقہ یہ ہے کہ تانبے کے اوپر سونے کا ملمع چڑھا دو۔

سیٹھ مایا رام اپنا دل بلا سوچے ہوئے دینے کو تیار ہیں۔ مگر ادھار دینا ہو تو خوب سوچ سمجھ کر دیں گے۔

ایسی بھی مچھلیاں ہوتی ہیں جو صرف گندے پانی میں پروان چڑھتی ہیں۔

تعصب زدہ انسان خود اپنے ذہن میں اپنی ایک دنیا بنا لیتا ہے، وہ دن کی روشنی میں سامنے کھڑے ہوئے پہاڑ کو نہیں دیکھتا اور اس کے وجود سے انکار کر دیتا ہے۔

گاندھی جی کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ان کو جوشیلی تقریر کرنا نہیں آتا تھا۔

انسان کی فطرت افسانہ پسند ہے۔ وہ حقیقت کو بھی بہت جلد افسانہ بنا دیتی ہے۔

مجبوری سے آدمی مظلوم تھا۔ موقع ملتے ہی ظالم بن گیا ■

آدمی جب سانس لیتا ہے تو وہ آکسیجن اندر لے جاتا ہے اور کاربن خارج کرتا ہے۔ نباتات کے لئے اس کے برعکس اصول ہے۔ وہ کاربن لیتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ اس دو طرفہ عمل کے ذریعے فطرت کا توازن قائم رہتا ہے۔ مگر انسان اپنے اندھا دھند عمل سے اس توازن کو بگاڑ رہا ہے۔ اس نے خشکی اور تری میں فساد پیدا کر رکھا ہے۔

روایتی اقتصادیات میں اب تک یہ پڑھایا جاتا رہا ہے کہ اگر وسائل کی قلت نہ ہو یا وسائل متبادل اغراض کے لئے استعمال کے قابل نہ ہوں تو وہ اقتصادیات کے دائرہ بحث میں نہیں آئیں گے۔ اس سلسلہ میں ہوا کی مثال دی جاتی ہے کہ یہ ایک مفت وسیلۂ فطرت ہے، اس لئے یہ اقتصادی تحقیق کے دائرہ سے باہر ہے لیکن آج ٹوکیو کی سڑکوں پر تازہ ہوا خریدنی پڑتی ہے اور لندن کے اوپر کی ہوا کو صاف کرنے کے لئے لاکھوں پونڈ خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ توازن فطرت اور اقتصادیات آج ایک دوسرے سے کتنا قریب ہو چکے ہیں۔ ایک ماہر ماحولیات نے کہا: "ممکن ہے تحفظ فطرت ہی مستقبل کا مذہب جائے۔"

ایشیا میں ایک نہایت مضرت رساں زرعی طریقہ جنگل کاٹ کر کھیتی کرنے ہے۔ ایک اور نقصان دہ طریقہ گھریلو جانوروں کو پنچایتی زمینوں پر چرنے کے لئے چھوڑنے کا ہے۔ قدیم ترین زمانے سے یہاں کے غریب لوگوں نے اپنا یہ حق سمجھا ہے کہ وہ بکریوں کے ریوڑ رکھیں جب کہ انھیں کھلانے کا کوئی انتظام ان کے پاس نہ ہو۔ اس کا نتیجہ انسان کے ہاتھوں وجود میں آنے والے ریگستان کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ ہندستان میں بہت سی زمین خستہ حالت میں نظر آتی ہے اور کچھ پیدا نہیں کرتی۔ اس کی وجہ محض انسانوں اور جانوروں کے ذریعے اس کا حد سے زیادہ استعمال ہے۔ تقریباً دس کروڑ مویشی جن میں سے بیشتر ناکارہ ہیں وہ اس ملک کے قدرتی سرمایہ پر زندہ رہتے ہیں۔ گیر کے محفوظ جنگل پر کئے گئے ایک سروے سے ثابت ہوا تھا کہ جب یہاں کی زمین مویشی کے کھروں اور انسانوں کے پیروں تلے روندی نہیں جاتی تو گھاس کی سالانہ فصل تقریباً ۰۰۵۴ کلوگرام فی ہیکٹر بیٹھتی ہے، لیکن دیہات کے اردگرد کی زمین پر جہاں مویشی پھرتے ہیں، یہ فصل صرف ۵۷۴ کلوگرام فی ہیکٹر ہوتی ہے۔ گویا زمین کے مناسب انتظام سے ہندستان اب کی نسبت دس گنی زیادہ گھاس پیدا کر سکتا ہے۔

یہ بے معنی بات ہوگی کہ کسی بھوکوں مرتے آدمی سے یہ کہا جائے کہ وہ استحصال کے بجائے تحفظ کرے۔ درختوں کو جو بھاری پیمانے پر ایندھن کے لئے استعمال کیا جاتا ہے وہ نباتات اور مٹی کے لئے زبردست نقصان ہے۔ مگر اکثر جگہوں پر درختوں کی کٹائی صرف اسی صورت میں رک سکتی ہے جب لوگوں کو مٹی کا تیل مفت سپلائی کیا جا سکے۔ جنگلات ہمارے سیارہ کی صحت کے

لئے اتنے ہی ضروری ہو سکتے ہیں جتنا کہ ماہرین توازن فطرت بتاتے ہیں۔ مگر یہ ایک انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ ہمیں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں صرف ۲½ ارب بیرل تیل کا ذخیرہ اور رہ گیا ہے اور مانگ کا یہ حال ہے کہ دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔

حکومت ہند نے ۱۹۵۲ میں ایک قومی جنگلاتی پالیسی وضع کی تھی جس میں یہ سفارش کی گئی تھی کہ ۳۰ فی صد زمین جنگلات کے نیچے رہنی چاہئے جو اس کے تحفظاتی و پیداواری اعمال کے لئے ضروری ہے۔ مگر چونکہ اکثر ریاستوں نے اس کو سنجیدگی کے ساتھ قبول نہیں کیا، آج ملک میں ۲۰ فی صد سے بھی کم زمین جنگلات کے نیچے ہے۔ اس سے جو دوسرے بہت سے نقصانات ہوتے ہیں اور جن میں زیر زمین آبی وسائل کا نقصان بھی شامل ہے، ان کے علاوہ صرف سیلابوں سے ہونے والا نقصان ہر سال بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق یہ نقصان گزشتہ ۲۵ سال میں ۳۵ ارب روپے کا ہوا ہے۔ جنگلات کاٹ کر جو زمین زیر کاشت لائی جا رہی ہے، وہ اکثر زراعت کے لئے غیر موزوں ہے۔ اس سے زیادہ موجودہ زمین پر زیادہ گھنی کھیتی کر کے حاصل کیا جا سکتا تھا۔ (ترجمہ) ■

الرسالہ کوئی کاروبار نہیں۔ اس کا مقصد اسلام کا احیاء اور ملت کی تعمیر ہے۔ ملت اسلامیہ کے مستقبل کو بدلنے کے لئے اس قسم کی اشاعتی مہم جتنی ضروری ہے، اتنی ہی یقینی یہ بات ہے کہ الرسالہ جیسے پرچہ کو تجارتی بنیادوں پر نہیں چلایا جا سکتا۔

الرسالہ کی مہم کو مسلسل جاری رکھنے اور اس کو کامیابی تک پہنچانے کی صورت صرف یہ ہے کہ ہم کو خصوصی معاونین کی ایک معقول تعداد حاصل ہو جائے۔ عمومی اصلاح کا یہ کام خصوصی تعاون ہی کے ذریعہ انجام پا سکتا ہے۔

تعاون کی صورتیں

۱۔ کچھ لوگ اس کے لئے تیار ہو جائیں کہ پانچ سال تک وہ الرسالہ کا زر تعاون کم سے کم ایک ہزار ایک روپیہ سالانہ ادا کریں گے۔

۲۔ ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی تیار ہو جو پانچ سال تک الرسالہ کا زر تعاون کم سے کم ایک سو ایک روپیہ سالانہ ادا کرے

نوٹ: زر تعاون کی ان دونوں صورتوں میں وہ لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جو مجوزہ رقم کو یک مشت دینے کے بجائے ماہانہ اقساط کی صورت میں ادا کریں۔

مَنْ
اَنْصَارِیْ
اِلَى اللّٰهِ

"کسی صاحب ذوق
کے مطالعہ کی میز
اس سے خالی نہ ہو"

پندرہ روزہ
ترجمان (دہلی) مرکزی جمعیۃ اہل حدیث
کا آرگن ہے۔ دسمبر ۱۹۷۶ میں اس نے حج نمبر
شائع کیا ہے۔ اس شمارہ میں ماہنامہ الرسالہ پہ
تبصرہ شامل ہے۔ یہ تبصرہ معاصر ترجمان کے شکریہ کے
ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے

"مولانا وحیدالدین خاں کی شخصیت علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ موصوف ایک اچھے اسلامی مفکر ہیں۔ آپ کے سوچنے اور لکھنے کا انداز بڑا موثر و دل کش ہوتا ہے۔ جن دنوں ہفت روزہ الجمعیۃ آپ کی ادارت میں نکل رہا تھا، موصوف کے مؤثر و دل کش و معیاری انداز تحریر و اسلوب نگارش نے اس پرچہ کو بڑا مقبول بنا دیا تھا۔ ہم لوگ اس کے ہر نئے شمارہ کا انتظار کیا کرتے تھے۔ اب موصوف نے الرسالہ کا اجرار کیا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ اس وقت میرے سامنے ہے ہر لحاظ سے پسندیدہ و معیاری۔ اس کے اجرار کا مقصد کیا ہے اسے خود مولانا کے لفظوں میں پڑھئے۔ فرماتے ہیں۔

(الرسالہ ماہ اکتوبر صفحہ ۳ کی عبارت نقل کرنے کے بعد)

"اسی کے ساتھ موصوف نے اسلام کے تعارف پر متعدد زبانوں میں معیاری کتابیں شائع کرنے، مکتبہ قائم کرنے وغیرہ کا ایک بڑا خوش کن و امید افزا پروگرام ذکر فرمایا ہے اس میں شک نہیں کہ اس وقت مؤثر اور مثبت اور معیاری انداز میں اسلام کے تعارف کی بے حد ضرورت ہے۔ یہ مذاہب پر تقابلی مطالعہ کا دور ہے اور غیر مسلموں کی بڑی تعداد اسلام کو جاننا چاہتی ہے، خدا مولانا کے عزائم میں برکت دے اور ان عزائم کی تکمیل مقدر فرمائے۔

"اس بات کو واضح کر دینے کے بعد کہ الرسالہ مولانا وحیدالدین خاں صاحب کی نگرانی میں نکل رہا ہے میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ پرچہ ہر لحاظ سے معیاری ہے اور اس لائق ہے کہ اسے ضرور منگایا جائے اور کسی صاحب ذوق کے مطالعہ کی میز اس سے خالی نہ ہو۔ کیونکہ مولانا کی سرپرستی اس کے معیاری ہونے کی گارنٹی ہے۔"

کسی گروہ کو طاقت ور بنانے والی سب سے بڑی چیز باہمی اعتراف ہے
اگرچہ یہی وہ چیز ہے جو کسی گروہ میں سب سے کم پائی جاتی ہے

کیا تاریخ دوبارہ مذہب کی طرف لوٹنے والی ہے

۱۷۸۹ میں جب جارج واشنگٹن کو امریکہ کا پہلا صدر چنا گیا تو ایک گھوڑ سوار پیغام بر نے یہ خبر انھیں پہنچائی تھی۔ ریاست ورجینا میں واقع موصوف کے مکان تک پہنچنے میں اس امریکی افسر کو سات دن لگ گئے تھے۔ اس کے برعکس ۳ر نومبر ۱۹۷۶ کو جب امریکہ کا ۳۹ واں صدارتی انتخاب ہوا تو ووٹنگ ختم ہونے کے صرف چند منٹ بعد ساری دنیا نے جان لیا کہ مسٹر جمی کارٹر کو امریکہ کا نیا صدر چن لیا گیا ہے۔

۱۹۳۲ کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ وہائٹ ہاؤس میں بیٹھے ہوئے ایک صدر کو اپنے حریف سے شکست کھانی پڑی۔ اس واقعہ کا ایک حیران کن پہلو یہ ہے کہ جمی کارٹر (پیدائش ۱۹۲۴) کی اس تاریخی کامیابی میں بڑا دخل مذہب کا ہے۔ جمی کارٹر اپنی انتخابی تقریروں میں یہ بتانا کبھی نہیں بھولتے کہ وہ ایک راسخ العقیدہ عیسائی ہیں۔

ان کی تقریریں روحانیت اور بائبل کے اقتباسات سے بھری ہوتی تھیں۔ وہ صاف لفظوں میں کہتے تھے کہ وہ موجودہ مسائل کا حل مذہب کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں۔ تاہم امریکہ کے موجودہ مایوس معاشرہ کو مذہب کے اندر امید کی نئی کرن دکھانے کی قیمت ۲۵ ملین ڈالر تھی۔ جمی کارٹر کو اپنی انتخابی مہم کی کامیابی کے لئے نہ صرف یہ بھاری رقم خرچ کرنی پڑی بلکہ انھوں نے دوڑ دھوپ کا بھی ریکارڈ توڑ دیا۔ انھوں نے چار لاکھ ۶۱ ہزار میل کے ہوائی سفر کئے۔ ۱۰۲۹ شہروں میں گئے اور ۱۴۹۵ تقریریں کیں۔ پچھلے پانچ برس سے وہ روزانہ اوسطاً ۶۰۰ آدمیوں سے مصافحہ کر رہے تھے۔

یہاں ایک امریکی اخبار کا کارٹون نقل کیا جا رہا ہے۔ اس کارٹون میں ترازو کے ایک طرف فورڈ اور ریگن ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اقتدار اور الحاد۔ دونوں نے مشترکہ طور پر اپنا وزن ایک پلہ میں ڈال دیا ہے۔ دوسری طرف کارٹر ہیں جو اپنے ہاتھ میں مقدس بائبل لئے ہوئے ہیں۔ شدید مقابلہ کے باوجود کارٹر کا پلہ بھاری ہو جاتا ہے۔

بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں دنیا کے سب سے زیادہ "ترقی یافتہ" ملک میں یہ واقعہ ہونا کہ ایک شخص مذہب کا نام لے کر الکشن جیت جائے، دراصل دنیا میں ایک نئی تبدیلی کا اعلان ہے۔ یہ بتاتا ہے کہ انسان مادی ترقی کی آخری انتہا پر پہنچ کر دوبارہ فطرت کی طرف لوٹ رہا ہے۔ پنڈولم کا رخ مذہب کی طرف ہو چکا ہے۔ اب یہ مذہب کے نمائندوں کا امتحان ہے کہ وہ اس نئے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا دوبارہ اسے ضائع کر دیتے ہیں۔ □

تعارف وتبصرہ

اسلامی فقہ

از مولانا مجیب اللہ ندوی

صفحات ۸۰۰، قیمت مجلد ریکسین ۲۵ روپے

پتہ: مکتبہ الحسنات، رام پور، یوپی

کتاب کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ عبادات، دوسرا معاشرت، تیسرا معاملات۔ اس طرح اس کتاب میں زندگی کے تمام امور سے متعلق اسلامی احکام کی تفصیل آگئی ہے۔

اسلامی فقہ پر اردو زبان میں متعدد مختصر اور مطول کتابیں موجود ہیں۔ تاہم یہ کتاب بعض پہلوؤں سے ممتاز ہے ہندو پاک کے مسلمان زیادہ تر حنفی المسلک ہیں، اس لئے یہ کتاب اگرچہ اصلاً اسی مسلک کے مطابق لکھی گئی ہے، تاہم اس میں دوسرے متداول فقہی مسالک مثلاً مالکی شافعی اور حنبلی کا ذکر بھی آگیا ہے۔ دوسرے یہ کہ فقہی تشدد کے بجائے اس میں بعض مسائل خصوصاً معاملات میں حسب ضرورت دوسرے مسالک کو بھی ترجیح دی گئی ہے۔ پھر یہ کہ ہر بیان کے آغاز میں قرآن وحدیث کے حوالے بھی درج ہیں تاکہ قاری کا ذہن اصل اسلامی ماخذ سے جڑا رہے، اس طرح کی دوسری خصوصیات نے اس کتاب کو اپنے موضوع پر ایک مفید اور جامع کتاب بنا دیا ہے۔

سالنامہ تنویر

صفحات ۹۶

جامعہ دارالسلام، عمرآباد، ضلع شمالی ارکاٹ۔

یہ جامعہ دارالسلام کے طلبہ کا رسالہ ہے۔ جامعہ میں طلبہ کی انجمن کے تحت طلبہ کو تحریر کی مشق کرائی جاتی ہے اور تعلیمی سال کے اختتام پر [illegible] طرف سے ایک میگزین شائع کیا جاتا ہے۔ یہ اسی قسم کا ۱۹۷۶ کا میگزین ہے۔ اب تک یہ میگزین قلمی ہوتے تھے۔ اس سال اس کو عمومی افادیت کے پیش نظر شائع کر دیا گیا ہے۔ سالنامہ میں دینی، علمی اور اصلاحی مضامین ہیں نیز غزلیں بھی شامل ہیں۔

طلبہ کے میگزین نکالنے کا رواج بہت مفید ہے۔ مگر زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ اس قسم کے میگزین میں تعلیمی امور اور طلبہ کے مسائل کا جائزہ شامل ہو۔

سوال وجواب
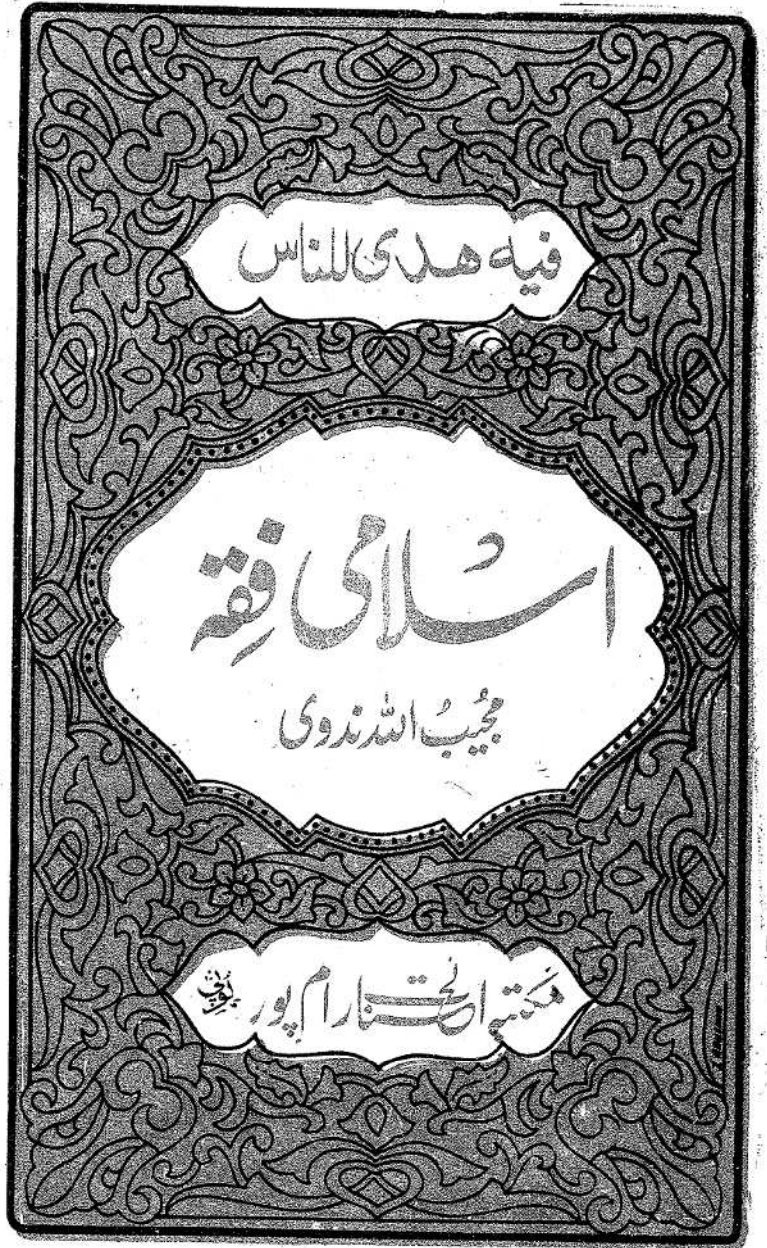
سوال: بہت سے لوگ جمعہ کے دن سورہ کہف پڑھتے ہیں اور اس کا بہت ثواب بتاتے ہیں، اس سلسلہ میں آپ کی تحقیق کیا ہے۔

جواب: متعدد روایتوں میں سورہ کہف کو جمعہ کے دن پڑھنے کی فضیلت بتائی گئی ہے۔ مگر یہ تمام روایتیں ضعیف ہیں۔ قوی روایت صرف وہ ہے جس کو احمد اور مسلم نے قتادہ سے نقل کیا ہے:

من حفظ عشر آیات من اول سورۃ الکہف عصم من الدجال

جس شخص نے سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو محفوظ رکھا وہ دجال سے محفوظ رہے گا۔

اس روایت میں نہ تو "پڑھنے" کا ذکر ہے نہ "جمعہ" کے دن کا۔ صرف یہ کہا گیا ہے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں میں جو تعلیم دی گئی ہے، جو شخص ان کو ذہن نشین کرے گا اور ان کو اپنی زندگی میں ملحوظ رکھے گا، وہ دجال کے ظہور کے وقت اس کے فتنہ سے بچا رہے گا۔

اب سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کو دیکھئے۔ غور کیا جائے تو ان میں دو اسوہ ملتا ہے۔ ایک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ جو لوگوں کو خدا پرست بنانے کی کوشش میں اپنے کو ہلاک کئے دے رہے تھے۔ (کہف-۶) دوسرے آپ سے قبل کے کچھ صالح نوجوان (اصحاب کہف) کا اسوہ جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ وہ لوگوں کے درمیان اپنے دین کو بچا نہیں سکتے، بستی سے نکل کر غاروں میں جا چھپے (کہف-۱۰)

کہ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتوں کا سبق یہ ہے کہ جب زمین پر فتنہ کی حالت پیدا ہو جائے اور خدا کی خلاف ورزی ہونے لگے، تو اہل ایمان کے لئے دو ہی راستے ہیں — اول یہ کہ غافل اور سرکش لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں اور اس میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ دیکھیں کہ معاملہ اس نوبت کو پہنچ چکا ہے کہ دوسروں کی اصلاح کے بجائے وہ خود اپنے آپ کو آزمائش میں مبتلا کرلیں گے تو ایسی حالت میں انھیں چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو عوام الناس سے الگ کرلیں اور کسی گوشے میں سمٹ کر زندگی کے بقیہ ایام پورے کر کے مرجائیں — پہلی صورت اقدام کی ہے، دوسری تحفظ کی۔

۱۔ اگر آپ کو الرسالہ پسند ہے تو فوراً سالانہ تعاون کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیے۔ تاکہ آپ تعمیر و اصلاح کی اس تاریخی مہم میں شریک ہو سکیں جو اس ماہنامہ کے ذریعہ شروع کی گئی ہے۔

۲۔ الرسالہ کا سالانہ زرتعاون بھیجتے ہوئے آپ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے پانچ پتے ہمیں بھیج سکتے ہیں۔ ہم ان کو نمونہ کا پرچہ مفت روانہ کر دیں گے۔

—— منیجر الرسالہ

Single Copy Rs. 2.00

Regd. No. D (D) 532
REGD.R.N.No.28822/76
JANUARY – 1977

AL-RISALA MONTHLY

1036 KISHANGANJ, DELHI-110006 (INDIA)

محمد احمد پرنٹر پبلشر مسئول نے جے۔کے آفسیٹ پرنٹرز دہلی سے چھپوا کر "دفتر الرسالہ" ۱۰۳۶ کشن گنج دہلی سے شائع کیا